قسط نمبر 21

''یقین نہیں آرہا آپ کو؟'' خضر دھیرے سے مسکرا دیا تھا۔ ثانیہ نے فوراً اپنے تاثرات مٹائے۔ ممکن تھا کہ وہ اس کا آبائی گاؤں ہو..... بہت سے لوگ شہر آ کر بس جاتے ہیں۔ اس میں اتنی حیرت کی کیا بات تھی۔

''آپ ان کی فائل مجھے لا دیں، میں ابھی آیا۔'' وہ کرم الٰہی کی فائل لے کر ورق پلٹتے ہوئے راہداری عبور کرتے چلا گیا تھا۔ ثانیہ اندر بیٹھ کر اس کا انتظار کرنے لگی، اور اس کے بارے میں سوچنے لگی۔

کچھ دیر بیتی تھی کہ ایک وارڈ بوائے نرس کو کہہ کر کرم الٰہی کے خون کے سمپلز لے گیا تھا۔ وہی وارڈ بوائے واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں کرم الٰہی کی فائل تھی۔۔۔ اور ایک نئی وہیل چیئر۔

ثانیہ نے حیرانی سے فائل لی۔ جن انجکشنز پر اسے سائن درکار تھے۔ وہاں ایم ایس کے باریک سے سائن کیے گئے تھے۔

''یہ۔۔۔؟'' ثانیہ نے وہیل چیئر کا پوچھا۔

''جو سر آپ کے ساتھ تھے انہوں نے دی ہے..... اور پی سی آر ٹسٹ کے لیے بلڈ بھی لیب میں دے دیا گیا ہے۔ رپورٹ جلد مل جائے گی۔ آپ کو کوئی مسئلہ، پریشانی ہو تو مجھے بتائیے گا۔ میری نائٹ ڈیوٹی ہوتی ہے۔''

ثانیہ حیرانی سے سنتی رہ گئی تھی۔ وہ چلا گیا تو چند منٹ بعد خضر اسے دکھائی دیا تھا۔ اس کے ہاتھ

میں پھلوں کے شاپرز اور جوسز کے ڈبے تھے۔ ثانیہ سخت شرمندہ ہوگئی۔

''پلیز! اس کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ۔۔۔''

''آپ مجھے اپنا بھائی سمجھیں۔'' خضر نے ہاتھ اٹھا کر اسے خاموش کرا دیا تھا۔

''مگر یہ تو کچھ کھاتے پیتے نہیں، آپ بلاوجہ زحمت کر رہے ہیں۔''

''اس کی ضرورت صرف مریض کو نہیں آپ کو بھی ہے۔۔۔ آپ خود بیمار پڑنے والی ہیں۔ اپنا خیال رکھیں گی تو مریض کی دیکھ بھال کر سکیں گی۔''

خضر واقعی اسے بڑے بھائیوں کی طرح سمجھا رہا تھا۔ ثانیہ اتنی خاموش ہوئی کہ کچھ بول ہی نہیں سکی تھی۔

''یہ کچھ پیسے ہیں، میں نے یہاں وارڈ بوائے کو اپنا نمبر دیا ہے۔ کوئی بھی مسئلہ ہو بلا جھجک بتانا۔ میں دوبارہ خیریت پوچھنے آؤں گا۔ ہوں؟''

خضر نے سائیڈ ٹیبل پر نوٹ رکھ دیے تھے۔ ایک مسکراہٹ سے ثانیہ کو نوازتا، وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا چلا گیا تھا۔

ثانیہ عجیب سے احساس میں گھر گئی تھی۔ وہ کھڑکی سے راہداری کے آخری سرے تک اس ڈریس کوٹ میں ملبوس شخص کی پشت کو تکتی چلی گئی تھی۔

کچھ لوگ کتنے مہربان ہوتے ہیں۔۔۔ دل کے بادشاہ۔

جہاں اپنوں کی بے حسی سہی جا رہی ہو، وہاں ایسے لوگ اس طرح بے یقینی میں مبتلا کرتے ہیں۔

☆.....☆.....☆

''گھر میں والدین کی موجودگی اگر باعثِ رحمت ہوتی ہے تو اولاد کا وجود باعثِ سکھ، باعثِ آسودگی۔'' وہ اپنے خالی انگن کو خالی خالی آنکھوں سے دیکھے سوچے گئیں۔

''میرے گھر تو اب کوئی پرندہ بھی نہیں بولتا۔ میرے دل کے ٹکڑے کہاں بکھر گئے؟'' تاجور نے یاسیت سے خود کلامی کی تھی۔ ان کی آنکھیں ویران تھیں۔ دل اجاڑ..... وہ ہمیشہ سے درد پیتی آئی تھیں۔ اب دردان کو پی رہا تھا۔

''میری سیمی.....'' ان کے دل سے ہوک اٹھی۔

''تم تو محفوظ مقام پر ہو گی، تمہاری ماں کی دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔ تم خوش ہو گی میری جان۔'' وہ تصور میں سیمی کو مسکراتا دیکھ رہی تھیں۔ پھر ان کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

لب پھیلے تو ان پر دراڑیں پڑ گئی تھیں۔

''اور ثانیہ.....'' دل گہرائیوں میں اوٹ بدل گیا۔ ''تم تو یہیں ہو میرے قریب، اسی آسمان، اسی فضا میں پھر بھی مجھ سے دور.....''

''مجھے معاف کرنا میری بچی۔'' انہوں نے اونچی آواز میں کہا تھا۔ کسی طرح یہ آواز ثانیہ تک پہنچ جائے۔ کوئی ہوا..... کوئی پکھیرو..... کوئی قاصد بنے اور ان کا پیغام پہنچا دے۔

صبا نے تاجور کو خود سے باتیں کرتے دیکھا تھا۔ اسے لگا جیسے کوئی پاگل بیٹھی ہو۔ اس کے دل پر عجب ٹھنڈے پانی کے چھینٹے پڑے تھے۔

''اسے یقیناً میری بددعا لگی ہے۔'' اس نے طنزیہ سوچا۔ پھر تاجور کی طرف قدم بڑھانے سے قبل ذہن کے پردے پر کوئی پرانا سا ویڈیو چلنے لگا تھا۔

☆.....☆.....☆

ماضی:۔

(تاجور کے گھر واپس آنے پر)

صبا خان نے اس سلطنت پر ملکہ بننے کے خواب دیکھے تھے، مگر شوہر کے تھپڑ اور دیور کے تیکھے نشتر

نے اسے باور کرا دیا تھا کہ اس سلطنت کی ملکہ ایک ہی تھی۔

ملکہ بھلے زخمی تھی، مگر اس کی حیثیت اور قدر سب کی نظروں میں بہت اونچی تھی، جبکہ اس کی اہمیت دو کوڑی ہو کر رہ گئی تھی۔ حاکم کی کہی بات نے اس کو جلا کر خاکستر کر دیا تھا۔

حالانکہ وہ ایسی باتوں پر کان نہیں دھرتی تھی، ہمیشہ چھاتی ٹھونک کر وہ کہتی آئی تھی کہ وہ ایسی ہی ہے۔ اور ایسی ہی رہے گی، مگر اس بار کچھ مختلف تھا۔ اس بار تاجور کو اس پر فوقیت دی گئی تھی۔

تاجور کے کردار کی گواہی..... جبکہ اس پر کیچڑ اچھالا گیا تھا۔ یہ بات اس کو کہیں چین نہیں لینے دیتی تھی۔ اس لیے اس دن وہ تاجور سے الجھ پڑی تھی۔

''میں نے جو دیکھا تھا صرف وہی بتایا تھا۔ تمہارے ساتھ کو کیا وہ تمہارے شوہر کی ذہنیت ہے جو وہ تم پر اعتبار نہیں کرتا۔ اور اب سارا قصور میرے سر پر ڈال دیا۔''

اس کی شکل تیز دھوپ میں پڑے لوہے کی مانند ہو رہی تھی۔ تاجور اس کو جواب دینا مناسب نہیں سمجھتی تھی۔ اور یہ بات صبا خان کا سارا خون جلا کر رکھ دیتی۔

''سمجھتی کیا ہو تم خود کو؟'' بالآخر وہ چیخ اٹھی۔ ''کیا ساری دنیا میں ایک تم ہی رہ گئی ہو جس کے کردار پر کوئی انگلی نہ اٹھا سکے۔ ایک تم ہی نیک اور پاکیزہ روح ہو..... ہم سارے جہنمی؟''

''اس کا فیصلہ ہم کیسے کر سکتے ہیں؟'' تاجور نے حیرت سے اس کا لال چہرہ دیکھا تھا۔

''میں تمہارے بارے میں سوچنا بے کار سمجھتی ہوں نہ ہی میرے ذہن میں اتنی قوت ہے کہ تمہیں سوچوں..... لیکن تم نے۔''

اس نے نظریں صبا پر گاڑی تھیں۔

''تم نے میری کردار کشی کی۔ تم نے جو دیکھا وہ کہاں؟ کیا دیکھا تم نے؟ سچ تو یہ ہے کہ تم نے مجھے بدچلن ثابت کرنا چاہا ہے..... تم نے جو خود میں پایا ہے وہی مجھ پر تھوپنا چاہا ہے..... یہ فرق ہے ہم

دونوں میں۔"

تاجور کوفت و بیزاری سے جواب دے کر اپنے کام لگ گئی تھی۔ صبا اپنی جگہ سے ایک انچ نہیں ہٹی۔

"تمہیں کس نے حق دیا ہے کہ میرے کردار پر سوال اٹھاؤ؟"

"یہ حق تمہیں کس نے دیا تھا؟" تاجور کا سوال اسے سلگا گیا۔ "دنیا یہ حق مانگتی نہیں ہے، چھین لیتی ہے۔"

"دنیا کی بات مت کرو تاجور! یہ گندگی تمہارے شوہر کے ذہن کی پیداوار ہے۔"

"دنیا کی بات مت کروں؟" تاجور نے مذاق اڑانے والے انداز میں بات دہرائی۔

"تم اس اونچی چار دیواری والے گھر میں دنیا سے چھپ چکی ہو صبا اس لیے آواز تمہارے کانوں تک نہیں پہنچی۔ تمہیں لگتا ہے تم بہت عزت دار ہو نا۔ انسان اپنا ماضی بھلا دیتا ہے دنیا نہیں بھولتی۔"

وہ سر جھٹک کر مزید کوئی بات کرنے کا ارادہ نہیں رکھتی تھی، مگر صبا کے تن بدن میں آگ بھڑک اٹھی تھی۔

"کیا بکواس کرنا چاہتی ہو تم..... بتاؤ کیا مطلب ہے اس بات کا؟"

"اس گھر سے باہر نکل کر دیکھو۔ جو عورت راتوں رات اس گھر میں اُگ آئی۔ جس کے نکاح کا کسی کو معلوم ہوا نہ رخصتی کا..... جس کے خاندان کا کسی کو اتا پتا ہے نہ جگہ مقام کا..... وہ تمہارے سائے سے بھی دور رہنا چاہتے ہیں۔"

تاجور نے اس کے وجود پر انگارے اچھال دیے تھے۔ وہ بالکل جامد سے دھڑ دھڑ جلتی جا رہی تھی۔ یہ دوسری مرتبہ تھا جب اسے لگا اس کی بے عزتی کی گئی ہے۔ اس وقت اس کے پاس تاجو کو دینے کے لیے کوئی جواب نہیں تھا۔ مگر اس نے تہیہ کر لیا۔

وہ اس گھر سے نکلے گی اور دنیا سے ملے گی۔ اپنی عزت لوگوں کی نظروں میں بنائے گی۔ وہ آس

پاس کے گھروں میں میل جول بنانے لگی..... یہ دیکھ کر اسے دلی مسرت ہوئی تھی کہ تاجور کی بات سچ نہیں ہوئی۔ لوگ اس سے خار نہیں کھاتے تھے۔ وہ اسے اپنے گھر بھی آنے دیتے تھے۔ کرید کرید کر اس سے سوال پوچھتے جیسے اس میں عورتوں کو دلچسپی ہو۔

بس ایک مرتبہ ہی عجیب ہوا واقعہ ہوا۔ حسبِ معمول وہ اپنی نئی نویلی دوست کے گھر گئی تھی۔ دروازہ کھولا گیا مگر اسے اندر نہ بلایا گیا۔ اس کی دوست بار بار اسے الجھن آمیز نظروں سے دیکھتی کبھی پیچھے نظر ڈالتی۔ صبا کی آنکھوں سے بے قراری چھپ نہیں سکی۔

''کیا ہوا، کوئی پریشانی ہے؟''

''نہیں تم کب جاؤ گی میں نے دروازہ بند کرنا ہے۔''

''ابھی تو آئی ہوں۔'' صبا کا دل ڈوبا تھا۔

''پھر آج اندر نہیں آسکتی تم۔ اس کے ابا گھر پر ہیں وہ ناراض ہوتے ہیں۔''

''مگر کیوں؟'' دل دھک۔

''انہیں ہمارا تم سے بات کرنا پسند نہیں۔ کہتے ہیں گھر کے ماحول پر برا اثر پڑتا ہے۔ دوستی اپنے جیسوں میں ہونی چاہیے۔''

وہ جھجک جھجک کر بول رہی تھی اور صبا خان کو کسی نے کھینچ کر جوتا دے مارا تھا۔ دنیا واقعی اسے اچھا نہیں سمجھتی تھی۔ اگر اچھا بھی سمجھتی تھی تو ''اپنے جیسا'' عزت دار نہیں سمجھتی تھی۔ صبا خان کے ذہن میں اس دن تاجور کی بات گونجی تھی۔

''دنیا کبھی نہیں بھولتی۔''

اور وہ کبھی بھولی بھی نہیں تھی۔ زندگی کے ہر موڑ پر اسے اسی طرح کے رویے کا بار بار سامنا کرنا پڑا تھا۔ وہ آج بھی صرف صدام کے لیے اہم تھی..... باقی سب کے لیے تو آج بھی.....

راتوں رات اُگ آنے والی عورت۔ نہ گھر خاندان نہ مکان، نہ کوئی وقار، نہ کردار.....

☆.....☆.....☆

حال:۔

اور وقت نے کیسا پانسہ پلٹا تھا۔ وہ تو کچھ نہ کر سکی مگر قدرت نے خوب ان سے بدلہ لے لیا۔ وہ عزت، وقار، کردار کی بڑی بڑی گواہیاں..... ساری نیک نامی خاک ہو چکی تھی۔

صبا اگر تہی دامن تھی تو آج وہ بھی اسی کی صف میں آ کھڑے ہوئے تھے۔

وہ دل ہی دل میں اس کیفیت سے لطف اندوز ہوتی تاجور کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھی۔ تاجور نے اس کے پیروں کو دیکھا۔ پھر سر اٹھا کر چہرے کو۔

''چچ چچ تاجور! تمہارے غرور کا سر خاصا برا چکنا چور ہوا ہے۔ میں تو بھول ہی گئی تھی کہ اللہ تعالیٰ بڑا انصاف کرنے والا ہے۔''

وہ ترحم آمیز نظروں سے تاجور کو دیکھتی بول رہی تھی۔ تاجور کے تاثرات بدلے۔

''کس غرور کی بات کر رہی ہو؟''

''اپنی عزت اور رتبے کا غرور، اپنے باپ کی شان و شوکت کا گھمنڈ.....''

''میرے باپ کا نام مت لینا صبا۔'' تاجور کے لہجے میں کرختگی آ گئی تھی۔ صبا ہنس پڑی۔

''یعنی بس رسی ہی جلی ہے۔'' تالی بجا کر ہنسی۔ ''ہاہ! اسی غرور نے تمہیں کہیں نہ چھوڑا..... نہ گھر کا نہ باہر کا، وہ کیا کہتی تھیں تم.....''

''یہ غرور نہیں ہے۔ یہ فخر ہے، رشک عاجزی پیدا کرتا ہے۔ غرور کو زوال ہو سکتا ہے مگر عاجزی تو اللہ کو پسند ہے۔''

''ابھی بھی اسی بھول میں بیٹھی ہو۔'' وہ تمسخر سے بولی۔

''آنکھیں کھول کر دیکھو سب کچھ لٹ چکا ہے۔ تم آج اسی جگہ پر آ گئی ہو جہاں پر کل میں تھی..... تم مجھ سے نفرت کرتی تھیں، آج خود تم اور تمہاری اولاد دنیا میں حقیر ہو کر رہ گئی ہے۔''

اس کے لہجے میں بھی وہی حقارت اتر آئی تھی۔ تحقیر آمیز لہجہ، تاجور نے کرب سے پلکیں جھپکیں۔

''نہیں صبا نہیں۔'' اس نے زخمی انداز میں سر نفی میں ہلایا۔ ''ہم دونوں ایک جگہ پر نہیں ہیں۔ اللہ سزا اس کی دیتا ہے جو گناہ کیا گیا ہو۔ بے قصوروں کو سزا دنیا دیتی ہے۔ مگر اس دنیا سے بڑی وہ ذات ہے، وہ رحم کرنے پر آئے تو دنیا کے تمام ستم ہیچ ہیں۔''

''ہونہہ!'' تاجور کا حدت سے دہکتا چہرہ دیکھ کر صبا نے ہنکارا بھرا تھا۔

''باتیں کرنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ جو تمہارے ساتھ ہوا ہے کیا اس میں اللہ کی رضا شامل نہیں ہے؟''

''بے شک۔'' تاجور کی آنکھیں ضبط سے نم ہوئیں۔ ''وہ نہ چاہے تو کسی میں کیا جرأت۔''

''پھر بھی خود جو دلاسے دیتی ہو؟'' صبا کو خود پر قابو پانا مشکل لگ رہا تھا۔

''اللہ تعالیٰ ہی میرا سہارا ہے..... میری بربادی تمہیں نظر آ رہی ہے۔ میرا آباد ہونا بھی ضرور دیکھنا۔ ایک آزمائش تم نے دیکھ لی، ایک ''انعام'' دنیا دیکھے گی۔''

تاجور کے چہرے پر رنج و یقین کے ملتے جلتے سائے ایسے لہرا رہے تھے کہ صبا کی ہنسی سمٹتی گئی۔

''یہ آنسو دیکھ رہی ہو۔'' تاجور نے انگلی پر رکھی بوند دکھائی اور مسکرائی۔

''یہ مایوسی کے نہیں ہیں، یہ اس التجا کے ہیں کہ اللہ تیری بے کس بندی تیرے کرشمے کو ترس رہی ہے۔''

اس کے لہجے میں ایمان بول رہا تھا۔ اللہ پر پختہ یقین..... صبا کو اب محسوس ہوا کہ اس کے چہرے پر پھیلے ان رنگوں کا کیا مفہوم تھا۔

''یہ مت سوچنا کہ میں اور میری اولاد تمہاری جگہ پر آ گئی ہیں..... تمہاری بددعا مجھے نہیں لگ سکتی کیونکہ تمہارے اعمال کی ذمہ دار تاجور نہیں ہے..... میری اولاد معصوم ہے۔''

''ہونہہ۔ معصوم..... جو رات کے اندھیرے میں.....'' صبا تلخی سے کچھ کہنے جا رہی تھی مگر تاجور نے اس کی بات اچک لی۔

''رات کے اندھیرے میں گئی ہے، ایک دن، دن کی روشنی میں سر اٹھا کر رخصت کروں گی۔ دن کی وہ روشنی جو تمہاری زندگی میں کبھی نہیں آئے گی۔ پھر تم کیسے خود کو میری بیٹی کے مقابل لا سکتی ہو؟''

تاجور نے سوالیہ دیکھا تھا۔ دن کی روشنی..... جس نے صبا کی تو رت تاریک کر دی..... وہ جتنی نفرت، حقارت اور بغض لے کر آ جاتی۔ تاجور کے پاس جیتنے کے لیے سچائی کے بہت سارے ہتھیار تھے..... کیونکہ بات کرنے کے لیے اسے گردن جھکانی نہیں پڑتی تھی۔ آج بھی وہ سر اٹھا کر بول سکتی تھی۔

☆.....☆.....☆

''کیا تم نے مجھے مس کیا؟''

صوفے پر بیٹھا خضر پاؤں کو جوتے کی قید سے آزاد کرتے ہوئے سیمی سے پوچھ رہا تھا۔

جوتے اتار کر ٹائی ڈھیلی کی۔ پھر ہاتھ بڑھا کر ٹیبل پر رکھا پانی کا گلاس اٹھا لیا جو سیمی نے اس کے لیے لا کر رکھا تھا۔

''مس..... میرے پاس اتنا وقت ہوتا ہے کہ تمہیں مس کروں؟'' خضر کے کپڑے نکالتی سیمی نے پلٹ کر ایک نگاہ ڈالی۔ گھونٹ گھونٹ پانی پیتا خضر رک گیا۔

''تمہارے پاس وقت نہیں ہوتا۔ سیریسلی؟'' خضر کی بے یقینی سی آواز سنائی دی۔

''یاد کرنے کے لیے وقت کی ضرورت نہیں ہوتی، آفس میں، میں تو تمہیں سارا وقت یاد کرتا رہا۔''

''جی اس لیے سارا دن بھاگ بھاگ کر سیڑھیاں اترتے، اور لاؤنج میں رکھے فون سنتے میری تو ٹانگیں شل ہو گئیں۔ تمہارے پاس کرنے کو کوئی کام نہیں کیا؟''

سیمی کی سنجیدگی سے کہی بات پر خضر کے لبوں پر مسکراہٹ جاگ گئی۔ اس نے آج ایک بار بھی

کال نہیں کی تھی۔

''اوہ۔'' وہ ہنس پڑا۔ ''کام زیادہ تھا یار، اس لیے بات نہیں ہو سکی۔''

''جی مجھے نظر آ گیا۔''

''اچھا ادھر آؤ نا۔ کتنی مشکل سے پانچ بجے ہیں، کیا فضول کام کر رہی ہو یہ میں خود کر سکتا ہوں۔''

خضر کے پکارنے پر وہ اپنا کام ترک کر کے اس کے سامنے آ بیٹھی۔

''آج میں خود کال کرنے والی تھی آپ کو۔'' سیمی کی بات پر خضر کے چہرے پر رونق آ گئی تھی۔

''رئیلی! اتنی یاد آ رہی تھی میری؟'' وہ چہکا۔

''کہ آتے ہوئے دہی لیتے آیئے گا۔''

''واٹ؟'' خضر بھونچکا رہ گیا۔ چہرے پر لوڈشیڈنگ ہو گئی۔

''دہی لینے کے لیے تم نے مجھے کال کرنی تھی؟'' وہ جیسے صدمے میں تھا۔

''جی جناب! مجھے کوفتوں کے لیے ضرورت تھی۔ کوفتے کے قیمے میں تھوڑا دہی ملا دیں تو.....''

''تمہیں پتہ ہے یہ دہی لانے جیسے کام میں نے زندگی میں نہیں کیے۔'' اسے کوفتے کے قیمے میں دہی ملانے کی افادیت سننے میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

''کیونکہ پہلے آپ غیر شادی شدہ تھے۔ اب آپ شادی شدہ ہیں اس لیے یہ تو کرنا پڑے گا۔'' سیمی گہرے سکون سے بول رہی تھی۔ پوری طرح سنجیدہ۔

''تم سچ کہہ رہی ہو۔ تم پہلے تو ایسی نہیں تھیں؟'' خضر اب تک بے یقین تھا۔ سیمی کو اس کی شکل پر بارہ بجتے دیکھ کر ہنسی آنے لگی۔

''آپ کو تو میں ہر روپ میں پسند نہیں تھی؟'' سیمی نے معصوم سی شکل بنا کر پوچھا۔ جیسے اسے دیکھ ہوا ہو۔

''ہاں مگر.....'' خضر نرم پڑا۔ ''تم ہر روز مجھے فون پر ٹماٹر، مرچ، لہسن، دھنیا جیسی چیزیں لانے کا کہو گی تو اچھی نہیں لگو گی ناں۔'' خضر نے مجبوری بتائی۔

''اوہ! میں نے تو بس دہی کہا تھا..... باقی چیزیں تم نے خود ہی شامل کر لیں۔ مجھے تم سے اسی ذمہ دارانہ روشے کی امید تھی خضر..... سو سویٹ آف یو۔''

سیمی کو اس پر ٹوٹ کر پیار آیا تھا۔ خضر بوکھلا گیا۔

''نہیں نہیں رکو..... سنو!'' ہوا میں اڑتی سیمی کا ہاتھ کھینچا۔

''کتنی سنگدلی سے سوچ رہی ہو..... اپنے ہیرو جیسے شوہر کو سبزی منڈی بھیجنا چاہتی ہو؟'' وہ خفا ہونے لگا۔

''ہاں نا! میرا ہیرو جیسا شوہر..... اپنے جیسی اچھی سبزی لائے گا تب ہی تو میں اچھے اچھے پکوانوں سے اس کے دل پر راج کر سکتی ہوں۔'' سیمی نے سمجھانے والے انداز میں اسے بتایا۔

''کیونکہ شوہر کے دل کا راستہ پیٹ سے گزر کر جاتا ہے نا۔''

''تم میری آنکھوں کے راستے دل میں بس جاؤ۔ پیٹ تک جانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔''

خضر نے اتنے تیز لہجے میں کہا تھا اور جس طرلاشعوری طور پر شرٹ پکڑ کر دونوں ہاتھ پیٹ پر رکھ کر اس کی نظروں سے اوجھل کیا تھا۔ سیمی بے اختیار کھلکھلا کر ہنستی چلی گئی تھی۔

''تم ہنستی بہت پیاری لگتی ہو۔ دیکھو میں فریش ہو گیا۔''

خضر نے چہرہ آگے کر کے آنکھیں بند کر کے اسے دکھایا۔ سیمی پیچھے ہوئی۔

''توبہ!'' وہ بلش کر گئی۔

''تمہیں کسی نے نہیں بتایا ہو گا کہ تمہاری ہنسی سب سے خوبصورت ساز ہے۔ ورنہ تم اتنا کم نہ ہنستیں۔'' خضر کی بات پر اسے مزید ہنسی آ گئی تھی۔

''اور جب تم ہنستی ہو تمہاری گردن اٹھ جاتی ہے، اس سے تمہارے بال جھومنے لگتے ہیں، جیسے باغ میں جھولتا ہوا کے ہوش سے جھولا۔''

''اف خضر! تم تو بس شروع ہو جاؤ۔'' اس نے بال چھپائے۔

''تمہارے لمبے بالوں کا میں دیوانہ ہوں۔''

''اور میں ان سے عاجز۔'' وہ چڑانے کو بولی۔

''انہیں کبھی مت کٹوانا۔''

''اب تو ضرور کٹواؤں گی۔'' وہ ہنسنے لگی۔

''تمہیں نہیں پسند، مگر مجھے تو ہیں۔''

''تو مجھ سے لے کر تم لگوالو۔'' ایک اور قہقہہ۔

''میرا دل کرتا ہے ہم کسی جنگل میں کھو جائیں۔ اور جگنو ہمیں اپنا مہمان بنالیں۔''

''تمہیں کیوں وہ اپنا مہمان بنائیں گے۔''

''تمہیں تو بنائیں گے نا..... اور میں تمہارے بالوں کا تکیہ بنا کر سکون سے سو جاؤں۔''

''خضر۔'' سیمی کو ہنسی ضبط کرنا مشکل ہو رہا تھا۔

''ویسے تکیہ بنا کر سونے کے لیے جنگل کا ہونا ضروری تو نہیں؟ یہ تکیہ مجھے یہاں بھی مل سکتا ہے۔''

''خضر سٹاپ اٹ! اتنی چیپ باتیں.....'' وہ ہنس ہنس کر پاگل ہو گئی۔

''چیپ باتیں؟'' خضر کو شاک لگا۔

''تمہیں یہ چیپ باتیں لگ رہی ہیں؟'' وہ حلق کے بل چلایا۔ ''اف..... اف۔'' وہ سر پر ہاتھ رکھے کھڑا ہو گیا۔ جیسے سیمی کی اس بات کہ سہہ نہ پا رہا ہو۔

''ہاں! ہر وقت تمہیں رومینٹک باتوں کے علاوہ کچھ سوجھتا ہی نہیں۔ تمہارے انتظار میں بھوکی

بیٹھی ہوں۔"

"بہت بڑی ناشکری ہو تم۔" وہ منہ بنا کر گھورتا ہوا کپڑے اٹھانے لگا۔

"ایسی محبتوں کو ترسو گی۔ دیکھنا....."

"فی الحال تو کھانے کو ترس رہی ہوں۔ تمہارے لیے اپنے ہاتھوں سے کوفتے بنائے ہیں۔" وہ تھوڑی اچھی بن گئی۔

"ویسے کسی کے انتظار میں بھوکے رہنا بھی محبت ہے۔" خضر شاور لینے جاتے جاتے پلٹا۔

"اچھا تو پھر وہ میری دہی، دھنیا اور مرچ۔"

خضر نیرک کر صبر سے دیکھا۔

"اپنی کہانی کا نام رکھ لو۔" دھاڑ سے دروازہ بند کیا۔

سیمی کتنے ہی لمحے دل کھول کر ہنستی بند دروازے کو دیکھتی رہی تھی۔

☆.....☆.....☆

وہ کپکپاتے ہاتھوں سے رپورٹ دیکھ رہی تھی۔ چار دنوں کے بعد اسے رپورٹ دی گئی تھی اور ان چار دنوں میں اس کی مانگی گئی ساری دعائیں اسے رائیگاں جاتی محسوس ہو رہی تھیں۔

"اس کو دو قسم کے یرقان ہیں۔ ہیپاٹائٹس بی، اور سی۔ جو قسم بی ہے اس کا علاج دو ڈھائی سال تک چلتا ہے۔ زیادہ خطرناک ٹائپ 'سی' ہوتی ہے، اب تو اس کا علاج تین چار ماہ میں ممکن ہے لیکن....."

"لیکن؟" ثانیہ کی سانس اٹکی۔

"پی سی آر اس لیے کرایا جاتا ہے کہ ہم اس بیماری کی نوعیت اور اس کی رفتار کا اندازہ لگا سکیں کہ اس کے جراثیم کتنی تعداد میں موجود ہیں اور کہاں تک نقصان پہنچا چکے ہیں۔ بٹ ایم سوری! اب علاج کرنے جیسا کچھ بھی نہیں ہے۔" ڈاکٹر پیشہ ورانہ انداز میں دھیرے دھیرے کہہ رہی تھیں۔ ایک ہاتھ

سے پنسل ٹیبل پر بجاتی ہوئیں۔ ثانیہ کو یہ ٹک ٹک اعصاب پر برستی محسوس ہو رہی تھی۔

''لیکن کیوں ڈاکٹر صاحبہ! کیا اس لیے کہ وہ اب اس عمر کو پہنچ چکے ہیں تو انہیں مرنے دیا جائے؟ کیا آپ کوشش نہیں کر سکتے؟''

ثانیہ کے ذہن میں کرم الٰہی کے بھائیوں کی باتیں گہری چھاپ چھوڑ چکی تھیں، اس لیے وہ بولتی گئی۔

''بالکل نہیں۔'' انہوں نے نفی میں سر ہلایا۔ ''بلکہ اب علاج ممکن ہی نہیں ہے۔ یہ مرض انہیں کافی عرصے سے لاحق ہیں۔ ہیپاٹائٹس ان کے جگر کو کھا چکا ہے۔ اب تو میں کہوں گی کہ ان کے پاس بس.....''

وہ شاید اس کی سانسوں کی مدت کا اندازہ لگانا چاہ رہی تھیں، مگر ثانیہ کے جذبات سمجھ کر خاموش ہو گئیں۔

''مگر ان کی طبیعت پہلے تو خراب نہیں تھی..... یہ اچانک اتنی.....'' ثانیہ نے کافی عرصے کا سن کر انہیں بتایا۔

''علامات ظاہر ہو چکی ہوں گی مگر کسی نے دھیان نہیں دیا۔ علاج کے ساتھ احتیاط بہت ضروری ہوتی ہے۔ جیسے نمک مرچ سے مکمل پرہیز..... روٹی تک پھیکی یعنی ودھ آؤٹ سالٹ۔ چکن، بیف، چاول سے دوری..... ان سب کے استعمال سے تو اور تیزی سے پھیلتا ہے۔ اب تو سمجھیں کہ بس لاسٹ اسٹیج نے انہیں بستر پر لا کے چھوڑا ہے۔''

وہ گہری سانس لے کر رہ گئی تھیں۔

''میں انہیں کسی اور ہاسپٹل لے جاؤں تو؟'' ثانیہ نے امید سے پوچھا۔

''ضرور.....'' وہ ہلکا سا مسکرا دیں۔ ''مگر ایم سوری کہ میں آپ کو امید بھی نہیں دلا سکتی۔''

ثانیہ لب بھینچے وہاں سے اٹھ آئی تھی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ کرم الٰہی اتنی جائے..... مگر زندگی کسی کے چاہنے نہ چاہنے کی محتاج کب ہوتی ہے۔

وہ واپس آئی تو کرم الٰہی نے ذرا سی آنکھیں کھول کر اس کی مایوس صورت دیکھی تھی۔

ثانیہ تھکے ہارے انداز میں رپورٹس سائیڈ میں رکھ رہی تھی۔ کرم الٰہی نے نہ سوال کیا، نہ کوئی حرکت۔ پھر بھی ثانیہ چپ نہیں رہ سکی تھی۔

''تم نے خود کیا ہے اپنے ساتھ۔ خود کو ختم کر لیا، کتنی بار کہتی رہی میں کہ ایک بار ہاسپٹل چیک اپ کروالو۔ یہ معمولی بخار کھانسی نہیں ہے۔''

ثانیہ کا دل بھر بھر آ رہا تھا۔ کرم الٰہی عجیب سی نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔

''تم کہتے تھے مجھے اِس نے زہر دے دیا۔ ابس نے زہر دے دیا۔ تم جھوٹے نہیں تھے کرم الٰہی..... بس تمہیں معلوم نہیں تھا کہ تمہارے ساتھ ایسا کیوں ہو رہا ہے۔''

اس کی بات پر کرم الٰہی کی آنکھوں کے تاثرات بدلے تھے۔ وہ پہلے کی طرح سپاٹ نہیں رہی تھیں۔

☆.....☆.....☆

ٹھیک اسی وقت ایک کافی شاپ کی پُرسکون لابی میں کافی کی بھینی بھینی مہک پھیلی ہوئی تھی۔ کچھ جوڑے ٹیبل کے گرد بیٹھے کافی انجوائے کرنے اور خوش گپیوں میں مصروف تھے۔

ہر ٹیبل پر خوشبودار تازہ پھولوں کا گلدستہ سجا ہوا تھا۔ ماحول سے سنہری پن جھلکتا تھا۔ ایسی ہی ایک ٹیبل کے گرد خضر اور شمائلہ آمنے سامنے بیٹھے نظر آ رہے تھے۔

ان کے درمیان رکھے پھولوں کے گلدستے میں سفید پھول تھے، اور بھاپ اڑاتے کافی کے مگ اس کی شکلوں کے اونچی لہریں بناتے جا رہے تھے۔

''ایم سوری! اپنے وعدے اور دیے گئے وقت کے باوجود میں تم سے جلدی نہیں مل سکا۔ اس کی وجہ بے تحاشا مصروفیت کے علاوہ کچھ نہیں تھی۔''

خضر نے ایک سپ لیتے ہوئے مگ ٹیبل پر رکھا اور تمہیں باندھنے کو یہ بات بولی تھی۔ شمائلہ شاید اس بات کی توقع کر رہی تھی۔ وہ گزشتہ پانچ چھ دنوں سے شہر میں موجود تھی۔

''میں سمجھ سکتی ہوں۔ تمہارے آفس جوائن کرنے کی مجھے خوشی ہے۔'' وہ نزاکت سے مسکرائی۔

''میں نے تم سے پہلے بھی کہا تھا کہ اگر تم بہت بزی ہو، ہم اس مہینے کے لاسٹ ویک اینڈ پر مل سکتے ہیں۔ کیونکہ.....''

''اوں ہوں۔'' خضر نے دوسرا سپ لیتے ہوئے اس کی بات کاٹ دی۔

''اس وقت میں یہاں پر موجود نہیں ہوں گا۔ جیسا کہ میں نے تمہیں پہلے بھی بتایا ہے کہ میں ایک بزنس ڈیل کے سلسلے میں اس منتھ کے لاسٹ ویک اینڈ کراچی جا رہا ہوں۔''

''آئی نو! اینڈ آل دا بیسٹ اِن ایڈوانس۔'' شمائلہ نے پُرجوش ہو کر کہا۔ خضر نے سر ہلایا۔

''اور میں اس سے پہلے تم سے ملنا چاہتا تھا۔'' خضر نے نارمل لہجے میں کہتے ہوئے اپنی گفتگو سے ''آپ'' ہٹا دیا تھا۔ شمائلہ کو دلی مسرت ہوئی۔

''میں جانتی ہوں خضر۔ تم سوچ بھی نہیں سکتے کہ میں خود کتنی ایکسائیٹڈ رہی اس ملاقات کو لے کر۔ تمہیں معلوم ہے تم کتنے مہینے بعد اپنی شکل دکھا رہے ہو؟''

''یاد ہے۔'' اس کی خفگی کے جواب میں خضر نے مختصر کہا۔

''سیمی..... کیسی ہے؟'' شمائلہ نے جانچتی نظروں پوچھا۔

''ہوں! خوش ہے وہ۔''

''خوش؟''

''کیا نہیں ہونا چاہیے؟'' خضر نے ایک دم اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ وہ گڑبڑا گئی۔

''نہیں، میرا مطلب تم ہی تو کہتے تھے کہ وہ یہاں خوش نہیں ہے۔ اُسے اپنے گھر واپس جانا ہے۔''

''اب وہ خوش ہے۔''

''مگر کیوں؟'' وہ قدرے غیر آرام دہ ہوئی۔

''کیونکہ اسے پتا چل گیا ہے کہ میں اس کا مسیحا ہوں۔ اور مرے ہاتھ اس کو چوٹ نہیں پہنچا سکتے۔''

''تو کیا پہلے وہ یہ بات نہیں جانتی تھی۔''

''نہیں! پہلے میں اس کی نظر میں مجرم تھا۔'' خضر مسکرا دیا۔ شمائلہ چونکی۔ کوئی مجرم ہونے پر مسکرا سکتا ہے؟

''اس کی نظر میں ہر کوئی مجرم ہوتا ہے۔ وہ ہے ہی ایسی جھوٹی اور جھوٹ کا سہارا لینے والی۔''

شمائلہ کے چہرے پر تلخی بکھر گئی تھی۔ بمشکل اس نے اپنے لہجے کی کڑواہٹ کنٹرول کی تھی۔

''ٹھیک کہہ رہی ہو۔'' خضر حد سے زیادہ نارمل نظر آ رہا تھا۔

''تم نے اسے بتا دیا ہے نا کہ تمہاری زندگی میں اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ اور تم صرف مجھے چاہتے ہو؟'' شمائلہ نے استفسار کیا۔ کچھ تھا جو اس کو بے آرام کر رہا تھا۔

''میں نے نہیں کہا، مگر وہ خود کہتی رہتی ہے۔''

''اچھا ہے، انسان کو اپنی حقیقت معلوم ہونی چاہیے۔'' شمائلہ کی گردن کچ اور تن گئی تھی۔ یہ لڑکی اس کے آگے کیا تھی۔ کچھ بھی نہیں۔

''تم بتاؤ، تم نے اپنی کہانی دوبارہ نہیں لکھی؟ اپنا ناول تم اس طرح ادھورا تو نہیں چھوڑ سکتیں۔'' خضر نے لب پونچھتے ہوئے دریافت کیا تھا۔ شمائلہ آگے ہوئی۔

''میں نے اسے ادھورا ہی چھوڑنے کا فیصلہ کیا ہے۔ یہاں میری زندگی ادھوری پڑی ہے اور میں اسے مکمل کرنے کا دردِ سر لوں۔ ٹینشن سے مجھ سے نہیں لکھا جا رہا۔''

شمائلہ ناک بھوں چڑھانے لگی تھی۔ اس کی یہ ادائیں..... جس پر خضر ہمیشہ ہنس دیا کرتا تھا، اس کا چہرہ سپاٹ ہوتا چلا گیا۔

''ٹینشن سے نہیں لکھا جا رہا، یا اس لیے کہ تمہیں لکھنا کبھی آئے گا ہی نہیں۔''

خضر کے ٹھنڈے ٹھار لہجے نے شمائلہ کو چونکا دیا تھا۔ وہ بدلتے تاثرات کے ساتھ اسے دیکھنے لگی۔

''کیا مطلب ہے تمہارا؟''

''وہ تم بتاؤ، سیمی کے جھوٹ کو چھوڑو..... آج تمہارے جھوٹ پر بات کرتے ہیں۔'' خضر کی بات پر شمائلہ ساکت سی ہو کر رہ گئی تھی۔

اس کی چھٹی حس کوئی تیز تیز الارم بجانے لگی۔ اس کا دل اس الارم پر تھرتھرانے لگا تھا۔

''میرے جھوٹ..... میرے کون سے جھوٹ خضر! تم میرے سامنے بیٹھے ہو اور کس کی زبان بول رہے ہو؟ لگتا ہے سیمی کے ساتھ رہ رہ کر تمہیں بھی الزام لگانے کا گُر آ گیا ہے۔'' شمائلہ کا چہرہ ناراضگی سے پھول گیا تھا۔

خضر نے گلدان سے سفید پھول کی کلی نکالی اور اسے انگلی میں گھمانے لگا۔

''الزام تو میں نے لگایا ہی نہیں جس کی تم بات کر رہی ہو۔ اور ہاں ساتھ کا اثر نہیں ہے یہ شاید خون کا اثر ہے۔'' خضر نے پھول کو دیکھتے دیکھتے شمائلہ کو دیکھا۔

شمائلہ..... جس کی رنگت اس پھول کی کلی کی مانند ہو گئی تھی۔ سفید..... بے رنگ۔

''تمہاری خاموشی بتا رہی ہے تم یہ بھی جانتی تھیں..... سیمی میری وائف ہی نہیں، کزن بھی ہے۔''

☆.....☆.....☆

ثانیہ کی نم آنکھیں کرم الٰہی پر ٹکی تھیں۔ کرم الٰہی اس کی بات سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''تمہیں خبر نہیں ہو سکی تمہارے ساتھ ایسا کیوں ہو رہا ہے۔ تمہیں یرقان ہے، پرانی ٹی بی اور یرقان..... جس میں نمک مرچ کی سختی سے پرہیز بتائی جاتی ہے۔''

''تم ہر روز قورمہ کھانا پسند کرتے تھے۔ ہر روز مرغی کا گوشت، کم دودھ کی چائے..... یہ چکن کا قورمہ، یہ چائے تمہارے اندر جا کر تمہارے اندر پلتی بیماری سے لڑ جاتی تھی۔ تمہیں شدید جلن کا احساس

ہوتا تھا۔ تیز بخار لپیٹ میں لے لیتا تھا۔ اوپر سے ڈسپنسری کی گرم دوائیاں..... زہر تو پھیل رہا تھا تمہارے اندر کرم الٰہی۔ مگر وہ زہر کوئی باہر کا بندہ نہیں دینا چاہتا تھا، وہ تمہارے اندر بن رہا تھا۔"

ثانیہ سانس لینے کو رکی تھی۔ اس کی بے بس نگاہیں اس وجود پر ٹکی ہوئی تھیں جس کے پاس زندگی کے گنے چنے دن ہی باقی رہ گئے تھے۔ کرم الٰہی خاموش سا اس کو دیکھ رہا تھا۔

"تمہارا جگر خون نہیں بنا رہا۔ بہت سارے اعضا کام کرنا چھوڑ چکے ہیں۔ اب تم کیسے اٹھو گے اس بستر سے کرم الٰہی؟" وہ دبی دبی آواز میں پوچھ رہی تھی۔ پھر دھپ سے بینچ پر بیٹھ گئی۔ کرم الٰہی نے چپکے سے آنکھیں موند لیں۔

"آنکھیں بند کرنے سے کیا ہوگا۔ میری بات کا جواب دو۔" وہ کچھ غصے سے بولی تھی۔ کرم الٰہی نے حیرت زدہ نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"مم..... مجھے....." وہ خشک لبوں کے ساتھ دھیما دھیما بولنے لگا۔

"واپس لے چلو..... اپنے گھر۔" وہ اس سے درخواست کر رہا تھا۔ ثانیہ کو دیکھ ہوا۔

"واپس جا کر کیا ہوگا؟ یہاں تھوڑا بہت علاج تو ہو رہا ہے۔ سر درد، بخار کے انجکشن۔ دیکھو کھانسی کے سیرپ..... اب کتنی بہتر ہے۔ وہاں جا کر پہلے کی طرح تڑپتے رہو گے۔"

وہ مایوسی سے واپس بیٹھ گئی تھی۔ کرم الٰہی کے پھر لب ہلے۔

"میرے بھا..... بھائیوں کو....."

"کوئی نہیں ہیں تمہارے بھائی۔" ثانیہ کو شدید طیش آ گیا۔

"وہ پوچھتے تک نہیں تمہیں کہ زندہ ہو یا کن حالوں میں اور تمہیں اب بھی ان کی پڑی ہے؟" اس کی تیز غصیلی آواز سے آس پاس کے بستر کے مریض اس کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔

"تمہیں میرا احساس ہے کچھ؟ ابھی بھی انہی کے لیے آس لگائے بیٹھے ہو۔ پلیز....." ثانیہ کی

آواز بھرا گئی۔ آنکھیں پانی سے لبریز ہو گئیں۔

''پلیز کرم الٰہی! ٹھیک ہو جاؤ۔ ذرا میرے بارے میں سوچو..... تم میرا آخری سہارا ہو۔ تم تو آرام سے چلے جاؤ گے۔ میں کہاں جاؤں گی؟ میرے پاس کوئی ٹھکانہ نہیں ہے۔''

ثانیہ کی آنکھیں چھلک گئی تھیں۔ اس میں اس سے زیادہ سہنے کی ہمت نہیں تھی۔ وہ کرم الٰہی کو یوں شاکی نظروں سے دیکھ رہی تھی جیسے وہ اپنی مرضی سے مرنے جا رہا ہو۔

☆.....☆.....☆

شمائلہ کو زندگی میں ایسی ٹھوکر کبھی نہیں لگی تھی جو اس وقت خضر کے الفاظ نے اسے منہ کے بل گرایا تھا۔ وہ شکست خوردہ انداز میں اسے دیکھ رہی تھی۔

''مجھے..... مجھے تمہاری اماں جان نے بتانے سے منع کیا تھا۔'' اس نے خود پر قابو پاتے ہوئے جلدی سے بات بنالی تھی۔ خضر جیسے سمجھ کر سر ہلا دیا تھا۔

''اچھا! یہ اماں جان بھی نا.....'' شمائلہ کا رکا سانس رواں ہو گیا۔

''خضر! تم اتنی بے اعتباری سے بات کیوں کر رہے ہو؟ یہ ہماری پہلی ملاقات تو نہیں ہے نہ ہم دونوں اجنبی ہیں۔''

''سچ پوچھو شمائلہ، پہلے مجھے بھی ایسا لگتا تھا، مگر آج واقعی تم سے میری پہلی ملاقات ہے۔ تم میرے لیے اجنبی سی ہو۔''

''کیا ہوا ہے تمہیں؟ کس بات سے ناراض ہو۔ تمہاری کوڈ ورڈنگ سمجھنے کے لیے میرا دماغ اس وقت کام نہیں کر رہا۔''

شمائلہ کا دل دھک دھک کرنے لگا تھا۔ خضر پھول کی پتیاں نوچ نوچ کر ٹیبل پر رکھتا جا رہا تھا۔ شمائلہ کی ہتھیلیاں پسینے سے بھیگ گئیں۔

''اچھا بتاؤ میری ماں نے اور کون کون سی سچائی چھپانے کے لیے کہا ہے؟'' وہ فرصت سے پوچھنے لگا۔ شمائلہ نے نفی میں سر ہلایا۔

''اور تو کچھ نہیں۔''

''او کے! تو شمائلہ، جیسا کہ تم جانتی ہو کہ سیمی میری کزن بھی ہے، میری سگی خالہ کی بیٹی اس لحاظ سے ہمارا رشتہ اور بھی گہرا ہو گیا ہے.....اور.....''

''اور تمہاری ماں نے تمہیں مجبور کر دیا ہے کہ تم اس سے ہر حال میں نباہ کرو؟'' شمائلہ نے تیزی سے اس کی بات مکمل کی تھی۔

''نہیں! میرے دل نے مجھے مجبور کر دیا ہے کہ اس لڑکی کو دنیا جہاں کی خوشیاں دو۔ اور یہ صرف اسی کے ساتھ جینا چاہتا ہے۔''

کافی شاپ کی دیواروں، دروازوں کے شیشے ایک جھٹکے میں ٹوٹے اور آ کر شمائلہ کے جسم میں پیوست ہو گئے۔

''خضر.....'' اس کی گردن اور ماتھے کی رگیں ابھر آئیں۔ اذیت سے آنکھوں کی پتلیاں سرخ پڑ گئیں۔

''ہاں شمائلہ، میں اس لیے تم سے جلد از جلد ملنا چاہتا تھا۔ میں تمہیں پسند کرتا تھا۔ ہم دونوں اچھی زندگی گزار سکتے تھے۔ تم بہت اچھی لڑکی ہو.....مگر میرے لیے یقیناً وہ لڑکی بہترین ہے جو اس وقت میرے گھر میں اور میرے دل میں ہے۔ کیونکہ قدرت کا یہی فیصلہ ہے۔''

خضر نے ایک سانس میں بات مکمل کی تھی۔ خضر نے اس کی سانسیں چھین لی تھیں۔

''اور میں.....میں جو تمہارے دل میں تھی؟ تم نے مجھے کیوں استعمال کیا خضر، میرے جذبات سے کیوں کھیلا۔ وہ سب کچھ جھوٹ تھا؟''

دکھ کی شدت سے اس کی آواز لرزنا شروع ہو گئی تھی۔ خضر نے تحمل سے اس کی بات کاٹی۔

''یہ وقت اور حالات کا تقاضا ہے اور پلیز اس طرح ری ایکشن مت دو۔'' خضر نے ایک نظر آس پاس ڈالی۔

''نہیں یہ تمہاری نیت کا تقاضا ہے۔ تم مجھے وقت گزاری کے لیے استعمال کرتے رہے۔ تم میرے ساتھ دھوکا کیسے کر سکتے ہو۔ صرف دو دن کی آئی اس لڑکی کے لیے، جسے زبردستی تمہاری زندگی میں شامل کیا گیا؟'' وہ غراتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ پوری ٹیبل خضر پر الٹ دے۔

''زبردستی سہی مگر اس نے اس رشتے کی شروعات سچائی کے ساتھ کی ہے۔ شمائلہ! تم نے یہ کیوں نہیں سوچا..... تم جو کر رہی تھیں وہ تمہاری طرف بھی پلٹنا تھا۔ تم نے بھی میرے جذبات سے کھیلا۔''

''میں نے تمہارے ساتھ کیا کیا ہے؟'' وہ جنونی ہو رہی تھی۔

''تم نے مجھ سے جھوٹ بولا کہ تم وہ شخصیت ہو جس کا میں پرستان ہوں، جبکہ تم وہ ہو ہی نہیں شمائلہ.....؟''

جنون جھاگ کی طرح بیٹھ گیا تھا۔ خضر نے سیسہ انڈیل دیا تھا اس کی سماعتوں پر۔

اسے دیر ہو گئی تھی۔ سیمی نے اپنا کام کر دیا تھا۔ اس نے شمائلہ کا تختہ الٹ دیا تھا۔

''تم..... تم میری بات.....'' وہ سہم گئی تھی۔ آنکھوں میں ہراس پھیل گیا۔

''میں سیمی کے لفظوں سے پیار کرتا تھا۔ میرے ذہن میں اس کا خاکہ تب سے بنا ہوا تھا جب جب اس کے الفاظ کا جال میرے گرد پھیلتا..... میں نے تمہارا نام لکھا تھا مگر خط سیمی کو لکھا تھا۔ جب کام ہی تمہارا نہیں تو صرف نام کی وجہ سے تم سب کی مالک خود کیسے بن سکتی ہو؟''

خضر اس سے سوال کر رہا تھا۔ ایک کڑا وقت آ گیا تھا۔ ایسا وقت جس کے آنے کی کوئی توقع ہی نہیں تھی۔ اور اس غیر متوقع وقت کی اس نے کوئی تیاری نہیں کی تھی۔

''تم نے بھی مجھے بے وقوف بنایا ہے۔ میں اسی طرح تم سے جواب طلب کرنا چاہتا تھا۔ تمہیں

کہنا چاہتا تھا تم نے میرا مذاق بنایا..... میرے خالص جذبات جس کے لیے تھے اس کی تم حقدار بن گئیں۔ مگر جانتی ہو میں نے تمہیں کال کیوں نہیں کی؟ وہ سانس لینے کو رک گیا۔

"کیونکہ سیمی نے مجھے روکا کہ میں تمہیں کچھ نہ کہوں۔ حالانکہ میں اس سے شدید ناراض رہا..... پھر بھی اس نے کہا تمہیں قصوروار نہ ٹھہراؤں۔ مگر شمائلہ جو تم نے میرے ساتھ کیا وہی تمہاری طرف پلٹ آیا ہے۔"

خضر نے بات مکمل کر دی تھی۔ اتنی مکمل کہ مزید کوئی گنجائش نہیں بچتی تھی۔ مگر شمائلہ اتنی آسانی سے یہ ہار قبول نہیں کر سکتی تھی۔

"خضر! سیمی نے تمہیں مجھ سے دور کر دیا ہے۔ کیا یہ میری بے ضرر سی غلطی اتنی بڑی ہے کہ تم مجھے اس کی سزا دو؟"

اس کی آنکھوں میں نمی اتر رہی تھی۔ اسے اپنی ذات پر غرور رہا تھا۔ وہ شمائلہ بہادر خان تھی۔ کوئی عام لڑکی نہیں تھی مگر محبت اسے عام لڑکی کی طرح رلا رہی تھی۔

"تمہیں سزا نہیں دے رہا شمائلہ! تم خود سوچو کیا سیمی اس سزا کی حقدار ہے؟ کیا وہ اس قابل ہے کہ میں اسے زندگی بھر کے لیے دوسروں کی ٹھوکروں پر چھوڑ دوں؟"

اسے شمائلہ کے آنسو پر افسوس ہو رہا تھا۔ وہ کسی عورت کو روتا برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ اس کا دل موم پڑ گیا تھا۔

"ہاں چھوڑ دو۔ وہ جانے اور اس کی قسمت..... وہ اپنے گھر چلی جائے گی، اس کے ماں باپ اسے قبول کر لیں گے۔ اس کی شادی بھی کروا دیں گے۔ اس کی زندگی کسی بھی طرح گزر جائے گی۔ اسے بڑی بڑی خواہشات نہیں ہیں۔"

شمائلہ پوری قوت صرف کر کے اسے بتا رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں صرف اپنی خواہشات تھیں۔

"اوہ۔" خضر ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ اس کے اندر سے سارا تاسف، سارا رحم بھاپ بن کر اڑ گی۔

''تم آج بھی خود غرض بن رہی ہو۔'' وہ افسوس سے کہہ رہا تھا۔

''سیمی کی بنی بنائی زندگی بگاڑ کر تم اپنی زندگی بنانا چاہتی ہو۔ تم اپنی زندگی کی نئی شروعات کیوں نہیں کر سکتیں۔ یہ زیادہ آسان ہوگا۔''

''آسان نہیں ہے خضر! میں محبت کرتی ہوں تم سے..... محبت چھوڑی نہیں جاتی۔''

''اور سیمی..... وہ کتنے عرصے سے میرے ساتھ ہے۔ میری بیوی بن کر، میرا ایک ایک کام اپنے ہاتھ سے کرنے والی۔ اس کے لیے چھوڑ دینا مشکل نہیں ہوگا؟''

''نن..... نہیں..... تم پوچھ کر دیکھ لو اس سے.....''

''پوچھوں گا تو وہ چھوڑ دے گی..... کیونکہ وہ اپنے دل کی بات نہیں بتاتی۔'' خضر افسردہ سا مسکرا دیا تھا۔

''لیکن میں اسے نہیں چھوڑ سکتا شمائلہ..... میں اسی کے ساتھ رہنا چاہتا ہوں۔ یہ میرے دل کی بات ہے۔''

''خضر پلیز..... میرے ساتھ ایسا مت کرو۔ میری غلطی اتنی بڑی تو نہیں ہے نا۔''

وہ التجا کرنا چاہتی تھی، مگر خضر کی باتوں نے اسے منجمد کر دیا تھا۔ بے یقینی سی بے یقینی تھی۔ زمین پیروں سے نکل گئی تھی۔

وہ فضا میں معلق تھی۔

''تمہاری کوئی غلطی نہیں ہے شمائلہ..... مجھے دکھ ہوا۔ مگر میں نے معاف کر دیا کیونکہ اللہ نے مجھے بہترین سے نواز دیا ہے۔ سب کچھ بھول جاؤ شمائلہ..... زندگی میں سکون کے لیے ضروری ہوتا ہے۔''

''نہیں خضر.....'' شمائلہ نے جھکی نگاہیں اٹھائیں۔ لہجے میں کرختگی اتری۔ آنکھوں میں شعلے۔

''سب کچھ تمہاری مرضی سے نہیں ہوگا۔'' وہ چبا چبا کر بول رہی تھی۔ آنکھیں خشک تھیں۔ چہرے پر سختی۔

''میں کسی صورت تمہیں ہار نہیں سکتی۔ میں سیمی کو جیتنے نہیں دوں گی۔ یہ سب تم اس طرح ختم نہیں کر سکتے۔''

التجا، درخواست، معذرت اور جذبات کا وقت ختم ہو گیا تھا۔ اب صرف مقابلے پر اترنا تھا۔ وہ رو دھو کر منتیں نہیں کرے گی۔ چھین لے گی۔

''میں کوئی میڈل ہوں، کوئی تمغہ..... کیا ہوں تمہاری نظروں میں؟'' خضر کے چہرے پر تناؤ کی کیفیت ابھر رہی تھی۔

''میں سیمی کی سچائی کسی کو نہیں بتاؤں گی۔ وہ صرف میرے سچ پر یقین کر سکتے ہیں۔ کیا سیمی ساری عمر تمہارے ساتھ ایسے گزارنا پسند کرے گی؟''

شمائلہ نے فاتحانہ چمک کے ساتھ سب سے قیمتی پتا نکالا اور خضر کے سامنے پھینک دیا۔

☆.....☆.....☆

''بیٹی! مریض سے اس طریقے سے بات نہیں کرتے۔''

ایک ادھیڑ عمر عورت نے آ کر ثانیہ کو نصیحت کی تھی۔ ثانیہ شرمندہ سی ہو گئی۔

''مریض بندہ تو ذرا سی جھڑک بھی نہیں سہہ سکتا۔ اپنی نیکی ضائع مت کرو۔''

انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا تھا۔ ثانیہ سر کر رہ گئی۔ وہ کئی روز سے اسے بھاگ دوڑ کرتا دیکھ رہی تھیں۔

''معاف کرنا کرم الٰہی۔'' اس نے دھیرے سے کرم الٰہی کو مخاطب کیا تھا۔

''میں جذباتی ہو گئی۔ ان شاء اللہ تم ٹھیک ہو جاؤ گے۔'' وہ اسے امید دلانے لگی تھی۔ جسے نجانے زندگی پیاری تھی بھی کہ نہیں۔

''واپس لے چلو ثانیہ..... خود کو نہ تھکاؤ۔'' کرم الٰہی نے بڑی مشکل سے بات مکمل کی تھی۔ اس کی

آواز کنویں سے آتی تھی۔ ثانیہ اس کی بات کا جواب دیے بغیر واپس بیٹھ گئی۔ اس نے سارے میں ایک نظر دوڑائی تھی۔ ہر کسی کا کوئی نہ کوئی آسرا تھا۔ ہر کسی کے ساتھ ان کے مرد تھے۔ اور ثانیہ کو کھانا لینے بھی خود نکلنا پڑتا تھا۔ پانی لینے بھی۔ پھر اس بات کی جان بھی اٹکی رہتی کہ کرم الٰہی کو اس کے پیچھے کچھ ہو نہ جائے۔ کبھی وہ ثانیہ کو پہچاننے سے انکار کر دیتا تھا۔ کبھی غنودگی میں اٹھنے کی کوشش کرتا..... وہ رات کو سوتی نہیں تھی کہ کرم الٰہی بستر سے گر نہ جائے۔

اس نے اگر کرم الٰہی کی خدمت کا تہیہ کیا تھا تو اپنی ہمت سے بڑھ کر کر رہی تھی۔ زندگی کہاں سے کہاں لے آئی تھی۔ اور کرم الٰہی کے بعد نجانے مزید کہاں لے کر جاتی۔ در در بھٹکاتی۔

اپنی کم مائیگی پر اس کے حلق میں نمکین سا گولا بننے لگا۔ وہ جب گھٹنوں میں منہ دیے آنسو ضبط کرنے کی کوشش کر رہی تھی، تب اس کی کھڑکی کے سامنے کوئی ٹھٹک کر رکا۔

ثانیہ نے آواز چھپانے کی کوشش میں چہرہ اٹھایا اور ایک نظر کھڑکی کے پار گئی۔ پھر وہ نظر ٹھہر گئی۔

ثانیہ کی اس شخص پر اور اس شخص کی ثانیہ پر نظریں جم کر رہ گئی تھیں۔

☆.....☆.....☆

کافی شاپ میں لمحہ بھر کو سکوت طاری ہو گیا تھا۔ اور اس سکوت میں خضر کی طنزیہ ہنسی ابھری۔

''تو اب تم اس لیول پر اتر آئی ہو۔''

''تمہارے لیے میں کسی بھی لیول پر اتروں گی۔'' وہ سینے پر ہاتھ لپیٹے بے خوف انداز میں کہہ رہی تھی۔

''آل دا بیسٹ۔'' خضر کھڑے ہوتے ہوئے بولا۔

''میں اپنی زندگی اور اس سے جڑے لوگوں کے مسئلے خود سلجھا لوں گا۔ ہماری زندگی میں مداخلت کرنے کی کوشش مت کرنا۔''

خضر نے وائلٹ اور موبائل اٹھایا۔ شمائلہ نے دیکھا۔ خضر کے سامنے پھول کی پتیاں بکھری پڑی تھیں۔ اسے وہ پھول کی پتیاں نہیں لگیں، اپنا آپ لگا۔

''تم بہت پچھتاؤ گے خضر۔ میں تمہیں اپنے علاوہ کسی کے ساتھ خوش نہیں رہنے دوں گی۔''

شمائلہ دھند کے پار سے بولی۔ خضر اس کی سائیڈ سے نکلتا چلا گی۔ شمائلہ نے آنکھیں میچ کر خود کو کمپوز کرنے کی کوشش کی۔

''شکریہ خضر! تم نے میرا کام آسان کر دیا۔ اب مجے اس کا کوئی پچھتاوا نہیں ہوگا۔''

وہ گہرا سانس لیتے ہوئے اٹھی۔ اس نے چہرے پر بے حسی کا ماسک چڑھا لیا تھا۔ وہ اسی اٹھی گردن کے ساتھ چلتی ہوئی باہر نکلی اور اپنی کار میں بیٹھ کر باہر آ گئی۔

روڈ پر خضر کی کار آہستہ آہستہ رفتار پکڑ رہی تھی۔ وہ کھوئی کھوئی نگاہوں سے اس کو دیکھتی کچھ سوچتی رہی۔ زندگی ہر سو رواں دواں تھی۔

اس کا سفر رواں دواں تھا، مگر زندگی رک گئی تھی۔ سڑک پر ٹریفک تھی۔ ہر طرف گاڑیوں کا اژدھام..... خضر نے اسے ایسے ہی مقام پر لا کر چھوڑ دیا تھا۔ جہاں کوئی بھی گاڑی اسے کچلتی چلی جاتی۔

دونوں کی گاڑیوں میں کچھ فاصلہ تھا۔ خضر ایک پلازے کے سامنے رک گیا۔ گاڑی سے اتر کر وہ اندر چلا گیا۔ وہ شاپنگ مال تھا کوئی۔

باہر نکلا تو اس کے ہاتھ میں موبائل کا ڈبہ تھا۔ شمائلہ کے چہرے پر تکلیف ابھری۔

وہ یقیناً سیمی کے لیے خرید رہا تھا۔ سیمی کا گفٹ۔ سفر ایک بار پھر شروع ہو گیا تھا۔

بیس منٹ کے تعاقب کے بعد گاڑی ایک رہائشی کالونی میں داخل ہو گئی تھی۔ یہاں کی گلیاں وسیع اور لمبی تھیں۔ خضر کی گاڑی کی رفتار کم پڑ گئی تھی۔

شمائلہ اندر جانے کی بجائے گاڑی روک کر اسے دیکھنے لگی۔ تھوڑا آگے جا کر خضر نے غالباً ہارن

دیا تھا۔ شمائلہ نے اپنا موبائل اٹھایا اور اس کا بیک کمرہ کھول یا۔

خضر گاڑی اس گھر کے اندر لے کر جا رہا تھا۔ شمائلہ زوم کر کے پکچرز کلک کرتی جا رہی تھی۔

گھر سے لے کر اس کے گیٹ کے کلر تک سب کچھ واضح ہونا چاہیے۔ وہ غلطی کی رتی بھر گنجائش بھی نہیں چھوڑنا چاہتی تھی۔

(مجھے معاف کرنا! مگر اس کے لیے مجھے کوئی افسوس کوئی پچھتاوا نہیں ہوگا۔)

☆.....☆.....☆

سیمی ہارن کی آواز سن کر اس کے استقبال کے لیے روم کے باہر آ جاتی تھی مگر آج شاید وہ مصروف تھی، یا اسے ہارن سنائی نہیں دیا تھا۔

خضر کو لاؤنج میں حنا بیٹھی مل گئی۔

''بہت کام کر رہے ہو تم خضر، آہستہ آہستہ سیکھ جاؤ گے سب..... اتنی جان مارنے کی کیا ضرورت ہے؟''

وہ مسکراتا ہوا اس کے ساتھ بیٹھ گیا۔

''ہاشم بھائی کو اپنے کام سے جنون کی حد تک لگاؤ ہے، شاید اسی کا اثر ہے۔''

''وہ واقعی بہت خوش ہو رہے تھے تمہاری کارکردگی سے۔''

''ہوں۔'' خضر کی نگاہیں کسی کو ڈھونڈنے لگیں۔

''خیر خوش تو اور بھی بہت لوگ ہیں تم سے۔'' حنا کو شرارت سوجھی۔ خضر اس کی شرارت سمجھ کر سنبھل کر بیٹھ گیا تھا۔

''کون لوگ؟'' تجاہل برتنا چاہا۔

''جیسے تم جانتے نہیں۔'' وہ ہنسی۔ ''ویسے اچھا ہے۔ تم دونوں کو خوش دیکھ کر دل کو سکون ملتا ہے۔ سیمی نے بہت کچھ سہا ہے۔''

''ہاں، بہت کچھ.....جس کے قابل نہیں تھی وہ۔'' حنا کی سنجیدگی پر وہ بھی سنجیدہ ہو گیا تھا۔

''ایسا ہوتا ہے خضر، لوگ کر کے بھول جاتے ہیں اور سزا دوسروں کو کاٹنی پڑتی ہے۔ سیمی تو پھر بھی تمہارے ساتھ محفوظ ہے۔ خوش ہے، لیکن اس کی بہن کا مستقبل.....اور ماں۔''

''اس کی بہن.....ثانیہ؟'' خضر ایک دم سے چونک گیا۔ سیمی اکثر اس کا ذکر کرتی رہتی تھی۔

''کیا ہوا اس کا مستقبل؟''

''ہاں ثانیہ.....اماں جان بتا رہی تھیں اس کا نکاح ابسی بڈھے سے کر دیا گیا تھا، جس سے سیمی کا ہونے جا رہا تھا۔''

حنا نے خضر کے سر پر دھماکا کر دیا تھا۔ وہ خود افسردگی سے بول رہی تھی مگر خضر کا منہ کھل گیا۔ شاک کی شدت سے وہ ایک جھٹکے سے سیدھا ہوا تھا۔

''تمہیں سننے میں غلطی ہوئی ہو گی حنا۔'' خضر اس بات کو ہر صورت میں جھٹکنا چاہتا تھا۔ اس کے اعصاب تک جھنجھنا اٹھے تھے۔

''نہیں خضر! یہ سچ ہے۔ پلیز سیمی کو مت بتانا وہ ٹوٹ جائے گی۔'' حنا نے اسے دھیرے سے کہا تھا۔ خضر کو اپنا دل کٹتا محسوس ہوا۔ سیمی جو اس کی شرارتیں بتاتی تھی، وہ بہت معصوم اور بچی بچی سی لگتی تھی۔ چھوٹی اور کیوٹ سی بچی۔ زندہ دل اور خوش مزاج۔ اس کے ساتھ ایسا کیسے ہو سکتا تھا؟

''وہ بہت معصوم سی لڑکی ہے۔ بہت کم عمر، لیکن اس کے باپ نے اپنے غصے میں کچھ نہیں دیکھا۔ وہ شخص تو شاید اس کے باپ کی عمر سے بھی بڑا.....ذ'

حنا کا اپنا دل سخت برا ہو رہا تھا۔ خضر کی سختی سے آنکھیں میچ لی تھیں۔ پھر ایک دم سے اس کے ذہن میں جھماکا سا ہوا۔ روشنی کا کوندا لپکا۔

''ہم مثل بہشت.....مطلب ایک گاؤں سے آئے ہیں۔''

''تمہارے ساتھ اور کوئی نہیں ہے؟'' خضر کے پوچھنے پر اس کا نفی میں ہلتا سر۔

اس کا مریض بھی ایک بوڑھا آدمی۔ اس کے بولتے نقوش..... کچھ دیکھا دیکھا سا چہرہ۔

شاید وہ سیمی سے ملتا ہوگا۔ وہ شاید ثانیہ ہو سکتی تھی۔ وہ یقیناً ثانیہ ہی تھی۔

اس نے واپس ٹیبل پر رکھی چابی اٹھائی اور تیزی سے اٹھا۔ حنا بھی فوراً کھڑی ہوگئی۔

''کہاں جا رہے ہو؟''

وہ جواب دیے بغیر تیز تیز قدم اٹھاتا باہر کی طرف جا رہا تھا جب ایک آواز نے اس کے قدم روکے۔

''خضر.....'' سیمی پکارتی ہوئی سیڑھیاں اتر رہی تھی۔ وہ تھم سا گیا۔ قدم آگے نہیں بڑھا سکا۔

''گاڑی میں کچھ بھول آئے کیا؟'' وہ اسے باہر جاتا دیکھ کر سوال کر رہی تھی۔ خضر اپنے قدموں پر پلٹا، دل کو ابلتے غم کو دباتا ہوا ایک قدم بڑھا کر اس نے بے ساختہ سیمی کو گلے لگا لیا تھا۔

سیمی گھبرا گئی۔ یہ شرارت نہیں تھی۔ خضر کے اس طرح گلے لگانے کی وجہ جذبات کی طغیانی تھی۔ جو محسوس ہو رہی تھی۔ اور گھبراہٹ تو حنا کے چہرے پر بھی جھلکنے لگی تھی۔ اگر اس نے جذبات میں بہہ کر سیمی کو بتا دی..... تو اس کے بکھرنے پر خضر بھی اس کو نہ سمیٹ پاتا۔

''خضر! کیا ہوا؟'' سیمی کا دل ڈوب سا گیا تھا۔

''میں آ رہا ہوں۔'' اس نے شدید ضبط سے سیمی کا چہرہ دیکھا تھا۔

''میں ابھی آتا ہوں، میرا انتظار کرو۔'' وہ اس کو الجھن میں چھوڑ کر عجلت میں باہر نکل گیا تھا۔

☆.....☆.....☆

وہ تیز رفتار ڈرائیونگ کرتا جلد سے جلد ہاسپٹل پہنچنے کی کوشش کرتا رہا تھا۔

بار بار اس کے ذہن میں ثانیہ کی شکل لہرا جاتی تھی۔ مجبور اور لاچار سی..... بے بسی کی عملی تفسیر۔

اس نے اسے تب ہی کیوں نہیں پہچان لیا۔ اس نے دو تین مرتبہ اسٹیئرنگ پر ہاتھ مار کر نجانے

کس چیز کا غصہ نکالا تھا۔ زندگی میں پہلی بار بنا دیکھے اسے اس شخص سے شدید نفرت ہو رہی تھی، جو اس کا سیمی کا باپ تھا، اور اس کا سسر تھا۔

وہ دیکھ لے اس آدمی کو جو اس زمین پر جیتے جاگتے انسانوں کو کٹھ پتلیاں سمجھ رہا تھا۔ ہاسپٹل پہنچ کر وہ تقریباً بھاگتا ہوا اس وارڈ میں آیا تھا جہاں وہ ثانیہ کو چھوڑ کر گیا تھا۔

سانس درست کرتا وہ دروازے کے قریب پہنچا.....اور.....اس کے چہرے پر مایوسی کے سائے چھا گئے۔

بیڈ نمبر دو خالی تھا۔ ثانیہ کو چار دن پہلے جہاں بیٹھا چھوڑ گیا تھا، وہ جگہ خالی تھی۔ اس کا سر چکرانے لگا۔

اس نے ڈیوٹی پر موجود نرس سے اس بستر کے مریض کے بارے میں پوچھا تھا۔

"یہ لوگ آج چلے گئے۔" مختصر سے جواب نے اس کی امید بھی چھین لی تھی۔ وہ گئے بھی آج کے دن تھے۔ کاش کہ خضر کو کچھ وقت پہلے پتہ چل جاتا۔

باہر آ کر کتنی دیر وہ گاڑی میں سر دونوں ہاتھوں میں گرائے بیٹھا رہا۔

وہ گاؤں سے شہر آئی تھی۔ اتنی دور سے یہاں تک.....مگر اس نے ثانیہ کو پانے سامنے پا کر بھی کھو دیا تھا۔ کیسا جان لیوا احساس تھا۔ اذیت سی اذیت تھا۔

☆.....☆.....☆

ایک آگ سی آگ تھی جو اس کے اندر تیزی سے پھیلتی جا رہی تھی۔ اس کے اندر ہر چیز تہس نہس کر دینے کی شدید خواہش ابھری نہیں تھی۔ بہت کوشش اور ضبط کے باوجود کمرے میں آ کر وہ خود پر قابو نہیں رکھ پائی تھی۔

کمرے میں آ کر بیڈ کا سہارا لیتی شمائلہ زمین پر بیٹھ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔

یہ احساس کس قدر جان لیوا تھا کہ کسی نے شمائلہ کو انکار کر دیا تھا۔ زندگی میں پہلی بار بری طرح رد

کر دیا تھا۔

وہ بھی کس کے لیے..... سیمی کے لیے۔ جو اس کے آگے کیا اہمیت رکھتی تھی؟ اس نے تو ہمیشہ سیمی کے لیے فخر محسوس کیا تھا کہ شمائلہ جیسی لڑکی اس کی دوست ہے..... اور آج اسی نے اس کی قسمت چھین لی تھی۔

اسے شدید قسم کے دورے پڑ رہے تھے۔ اس کی محبت، اس کا جنون..... جس کے لیے اس نے بڑے بڑے جھوٹ بولے۔ جس کے لیے وہ دنیا کا کوئی بھی کام کر سکتی تھی۔ وہی اسے منہ پر کہہ کر چلا گیا کہ اس کا دل اب اس کی طرف مائل نہیں ہے۔ وتو شروع سے ہی سیمی کے وجود سے محبت کرتا تھا۔ شمائلہ اس کے لیے کچھ بھی نہیں تھی؟

وہ بے دردی سے زمین پر مٹھیاں برسانا شروع ہو گئی تھی۔ اس کے اندر درد کا طوفان پل رہا تھا۔ آنکھوں سے لاوا بہہ رہا تھا۔ وہ خود کو آج بہت حقیر سا تصور کر رہی تھی، جس کو چنا نہیں گیا تھا۔ جس کو کھو کر خسارے کا کوئی احساس ہی نہ جاگتا۔ کتنی دیر روتے رہنے کے بعد اس نے موبائل اٹھایا اور اس کی اسکرین روشن کی۔

اس کے اندر بھانبھڑ جل رہے تھے۔ سیمی سے شدید نفرت محسوس ہو رہی تھی۔ اس کی ساری چالاکیاں، ساری مکاری آنکھوں میں گھوم رہی تھی۔ دونوں نے مل کر اس کے جذبات کچل دیئے تھے۔ اسے شکست سے دوچار کر دیا تھا۔ وہ ایک پل چین سے نہیں بیٹھ سکتی تھی۔ ایک نمبر ملا کر اس نے فون کان سے لگایا، اور اپنی سسکیاں روکنے لگی۔

☆.....☆.....☆

"ہیلو شمائلہ! میں نے آپ کی کال کا بہت انتظار کیا۔ مجھے امید ہے آپ کوئی اچھی خبر سنائیں گی۔"

"میں نے تم سے کہا تھا میرا نام مت لیا کرو۔ کسی کو بھنک نہیں پڑنی چاہیے کہ تمہارے اس کام میں، میں تمہارا ساتھ دے رہی ہوں۔"

لہجہ ناہموار، مگر سخت، کھردرا اور ناگوار۔

''جی! معذرت۔''

''مجھے خضر دستگیر کے گھر کا ایڈریس مل گیا ہے۔ وہ جگہ، جہاں تمہاری منگیتر رہتی ہے۔'' اس نے منگیتر پر خصوصی زور دیا تھا۔ معین کی گردن میں گلٹی ڈوب کر ابھری۔

''کہاں..... کہاں رہتی ہے وہ؟''

''تمہیں کچھ تصویریں سینڈ کر رہی ہوں۔ باقی ایڈریس مجھ سے سمجھ لینا..... گاڑی کا بندوبست ہو جائے گا؟''

''کیا آپ شہر میں ہیں؟'' معین کے اندر سنسنی خیز لہر دوڑ گئی تھی۔ حاکم نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

''ہاں! اور ابھی یہیں رہوں گی۔''

''تو کیا میں آجاؤں، آج ہی.....؟''

''نہیں۔'' اس نے سختی سے انکار کیا۔

''پہلے بھی تم نے بے وقوفی کی اور تمہارا باپ جیل چلا گیا۔'' لہجہ بے حد تلخ تھا۔

''خضر دستگیر کی اس مہینے کی آخری ویک اینڈ کی شام کراچی روانگی ہے۔ اس کے بعد، وہ یہاں ہوا تو تمہیں اپنے گھر قدم بھی نہیں رکھنے دے گا۔''

''ٹھیک ہے میں اس پر عمل کروں گا۔'' وہ دھڑکتے دل کے ساتھ بول رہا تھا۔

''لیکن آنا کس دن ہے؟''

''خضر دستگیر کی روانگی کے ٹھیک اگلے دن.....''

☆.....☆.....☆

یہ ایک پرائیویٹ اور مہنگے ہاسپٹل کے احاطے میں ب نے چھوٹے سے گارڈن کا منظر تھا، جہاں سبز گھاس پر پاؤں ٹکائے پتھر کی بینچ پر بیٹھی ثانیہ پھولوں پر منڈلاتی تتلیوں کو دیکھ رہی تھی۔

کبھی اسے بھی یہ تتلیاں اور تتلیوں کے رنگ پسند ہوتے تھے۔ پھر اس کی زندگی سے سارے رنگ ایسے اڑے کہ اسے مزید کسی رنگوں میں دلچسپی نہیں رہی تھی۔

''کیا میں بوڑھی روح بنتی جا رہی ہوں؟'' اس نے خود سے سوال کیا۔ اس کا دل اب کسی چیز کی طرف مائل نہیں ہوتا تھا۔ کسی چیز کی خواہش نہیں کرتا تھا۔

جیسے خواہشیں مر چکی ہوں۔ دل سیر ہو چکا ہو۔ زندگی میں حالات کبھی بھی من پسند نہیں ملتے۔ اسے جو ملے تھے وہ اس نے تصور بھی نہیں کیا تھا۔ اس لیے وہ جیسی بن گئی تھی، یہ بھی کوئی تصور نہیں کر سکتا تھا۔

شمریز ہاسپٹل کینٹین سے چائے اور بسکٹ لینے گیا تھا۔ وہ واپس آیا تو ثانیہ اسی حالت میں بیٹھی تھی، سچ میں وہ اسے چھوڑ کر گیا تھا۔

''چائے!'' اس نے اس کی پیالی درمیان میں رکھ دی اور بسکٹ کا پیکٹ کھولا۔

''میں تو تم سے یہ گلہ بھی نہیں کر سکتا کہ تم مجھے بتائے بغیر اکیلی مشکلیں اٹھاتی رہیں۔ شاید میرا کوئی حق نہیں بنتا۔'' شمریز گرم چائے کا کپ دونوں ہاتھوں میں بھینچے سامنے دیکھتے ہوئے نیچی آواز میں کہہ رہا تھا۔

''بستی کا ایک ایک دروازہ بجا کر تمہارا معلوم کیا، اس کیری ڈبہ والے سے ملا جو تمہیں یہاں چھوڑ گیا تھا۔ سارا راستہ دعا کرتا رہا کہ تم وہاں مل جاؤ.....''

''میں نے تمہیں منع کیا تھا۔'' ثانیہ سپاٹ لہجے میں بولی تھی۔ اسے ہاسپٹل کی کھڑکی میں دیکھ کر ثانیہ گنگ سی رہ گئی تھی۔ وہ اسے ڈھونڈتا یہاں بھی آ گیا تھا۔ اور وہاں پر ثانیہ اور ہاسپٹل کا حال دیکھ کر اس کی اپنی حالت غیر ہو گئی تھی۔ ثانیہ نجانے اتنے دنوں سے کیسے رہ رہی تھی۔

اور اس کی ایک نہ سنتے ہوئے، شمریز کی زبردستی کا نتیجہ آج یہ مہنگی جگہ تھی جو ثانیہ افورڈ نہیں کر سکتی تھی۔

''اگر میں تمہیں منع کرتا کہ اس انسان کو اس کے حال پر چھوڑ دو تو تم میری بات مان لیتیں؟''
شمریز نے تحمل سے اس سے سوال کیا تھا۔ ثانیہ کئی لمحے بعد بھی خاموش رہی تھی۔

''کچھ معاملوں میں ہم بہت بے بس ہوتے ہیں ثانیہ! ہماری مرضی نہیں چلتی۔ اس لیے تمہیں مجھے برداشت کرنا ہوگا۔''

شمریز نے چائے کا کپ اٹھا کر ثانیہ کے ہاتھوں میں پکڑا دیا تھا۔ اس نے چپ چاپ تھام لیا۔

''وہ تمہاری ان ہمدردیوں کا بدلہ نہیں چکا سکتا۔''

''تمہیں لگتا ہے میں سکی صلے کا سوچ کر یہ کر رہا ہوں؟'' شمریز نے سوالیہ نگاہیں اس پر جمائی تھیں۔

''مجھے اس کا بدلہ یا احسان واپس نہیں چاہیے۔ میں صرف اس خدمت میں تھوڑا سا حصہ ڈالنا چاہتا ہوں، جو تم اس کے لیے کر رہی ہو۔''

''دنیا میں اور بہت سارے انسان ہیں۔'' ثانیہ سنجیدگی سے بولی تھی۔

''بالکل۔ بہت سارے ہیں۔'' اس نے مان لیا۔

''لیکن پہلا حق اس قریبی انسان کا ہوتا ہے جسے آپ جانتے ہوں۔ میں تمہاری ہمدردی کے لیے یہ سب نہیں کر رہا۔ نہ یہ تمہارے ساتھ رہنے کا کوئی بہانہ ہے..... میری تو بس ایک مجبوری ہے۔''

وہ کہتے ہوئے سر جھکا کر رہ گیا تھا۔ اس کی آواز تبدیل ہو گئی تھی۔

''مجھے یہاں رہنے دو پلیز، میری مجبوری سمجھو۔''

''یہاں رہنا تمہاری کون سی مجبوری ہے؟'' وہ طنز نہیں کرنا چاہتی تھی، مگر ہو رہا تھا۔

''تم میرے دل میں جگہ نہیں بنا سکتے شمریز۔''

''مجھے یقین ہو گیا ہے۔ میں تمہارے دل میں جگہ نہیں بنا سکتا۔'' وہ سر ہلاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ اس کے لہجے میں مایوسی کی باریک تہہ تھی۔

''مگر مجھے پروا نہیں ہے۔ میری مجبوری یہ ہے کہ تمہیں تنہا چھوڑ دینا میرے بس کی بات نہیں۔ اور میں تمہیں تنہا چھوڑ کر نہیں جاؤں گا۔''

دو لوگوں کے بیچ خاموشی آ کر ٹھہر گئی تھی۔ دو لوگوں کے کپ میں چائے ساکت تھی۔ دو لوگ ایک دوسرے سے دور بینچ کے دونوں طرف آخری سروں پر بیٹھے تھے۔

سر جھکائے، خاموش، ہارے ہوئے لوگ۔ اپنی داستان آپ کہتے دیوار پر لگی کسی پینٹنگ میں قید.....

☆.....☆.....☆

رات کا آنچل اونچی عمارتوں کی چوٹیوں پر سرکتا جا رہا تھا۔ خضر اور سیمی زرد لائٹ کی روشنی میں لان کی سیڑھیوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔

ان کے سامنے فوارے سے پانی ابل رہا تھا، جسے وہ دونوں کسی دلچسپ منظر کی طرح دیکھے گئے۔

خضر کچھ دنوں سے سیمی سے نظریں چرا رہا تھا۔ جیسے اس کے دل میں کوئی دکھ ہو مگر وہ سیمی سے شیئر نہ کر پا رہا ہو۔ سیمی نے اس کا دل بہلانے کی بہت کوشش کی اور کچھ اگلوانے کی بھی..... پر نجانے یہ کیسی پریشانی تھی کہ ہر بات شیئر کرنے والا خضر اس کے سامنے بول نہیں رہا تھا۔

''خضر! کیا آفس کی کوئی ٹینشن ہے؟'' وہ اس سے پوچھتی تھی۔ خضر نفی میں سر ہلا دیتا۔ اور وہ سوچتی کہ کام کی زیادتی نے شاید اس کے مزاج کو رف کر دیا ہے۔

آج وہ دونوں ایک دوسرے کو وقت دینے کے لیے باہر آ کر بیٹھ گئے تھے۔ خضر کے ہاتھ میں سیمی کے لیے لیا گیا نیا سیل فون تھا، جو سیمی نے کھولا نہیں تھا۔

''تمہارے لیے ہی لایا تھا۔'' اس کے اندر سم ڈالتے ہوئے خضر نے اسے بتایا۔ سیمی نے اس کے اچھے موڈ کو محسوس کیا تھا۔

''ہاں! لاؤنج کے صوفے پر چھوڑ کر چلے گئے تھے۔''

سیمی کے شکوہ کرنے پر وہ دھیما سا مسکرایا۔ پھر موبائل میں ایک نمبر ڈائل کرنے لگا۔ چند بٹن پریس کر کے اس نے اپنا نمبر کنٹیکٹ لسٹ میں سیو کیا اور سکرین سیمی کے سامنے کی۔

''My Love'' اس نئے سیل میں موجود واحد اپنے نمبر کو اس نے ان الفاظ سے سیو کر لیا تھا۔

سیمی نے ان الفاظ کو پڑھا..... ایک نظر خضر پر ڈالی۔

دونوں بے اختیار ایک ساتھ مسکرا دیئے تھے۔

''خضر! تم نے مجھے اس روز گلے کیوں لگا لیا تھا؟'' سیمی نے مسکراتے ہوئے اس سے یہ سوال کیا تھا، لیکن اس سوال میں کتنی سنجیدگی تھی، وہ محسوس کر سکتا تھا۔

''کیا میں تمہیں گلے نہیں لگا سکتا؟'' خضر اسے گہری نگاہوں سے دیکھنے لگا۔

''بات یہ نہیں ہے۔ جو بات تھی وہ بتاؤ، ایسی کیا بات ہے خضر..... تم نے مجھے اپنے ساتھ لگایا تھا۔ میں نے تمہارے اندر کی کیفیت بھانپ لی تھی۔''

سیمی ہنوز مسکرا رہی تھی مگر سنجیدگی سے..... خضر کچھ بول نہیں سکا تھا۔

''تم ہر بار لاجواب کر دیتی ہو..... ہوناں لفظوں کی کھلاڑی۔'' وہ ہنس دیا۔

''مجھ سے زیادہ تم اس کھیل میں ماہر ہو۔''

''سیمی! ایک وعدہ کرو گی؟'' وہ اچانک اس کی طرف دیکھ کر بولا تھا۔ سیمی نے دھیرے سے اثبات میں سر ہلایا۔

''تم سے کسی نے کہا مجھے چھوڑنے کا..... تو کیا چھوڑ دو گی؟ خواہ وہ کتنا پیارا انسان ہی کیوں نہ ہو؟''

وہ پلکیں جھپکے بغیر اس کو تک رہا تھا۔ جیسے اس کے چہرے کے تاثرات تک پڑھ لینا چاہتا ہو۔ سیمی کے لیے یہ سوال انتہائی غیر متوقع تھا۔

''یہ..... تمہارے علاوہ کون کہہ سکتا ہے۔'' وہ ذرا سنبھل کر ہنسی۔ سنجیدگی کم کرنے کی کوشش۔

''چاہے میں بھی کہوں.....تب؟'' وہ نہیں ہنسا تھا۔ وہ سیریس تھا۔ سیمی نے غور سے اس کی شکل نہیں دیکھی۔ گہری سانس لی۔

''نہیں۔''

''کیا؟''

''نہیں چھوڑوں گی۔ میں تم سے الگ نہیں رہ سکتی۔'' اس کی بات نے خضر کے چہرے پر زندگی دوڑا دی تھی۔ وہ کھل اٹھا تھا۔

کتنا اہم تھا یہ اظہار اس کے لیے؟ جو سیمی مذاق میں اڑا دیتی تھی۔

''میرا ہمیشہ اعتبار کرو گی؟'' اس کے ذہن میں ثانیہ کی شکل ابھر رہی تھی۔ وہ اسے اس کے بارے میں بتا کر دوبارہ دکھی نہیں کرنا چاہتا تھا..... کتنی مشکل سے اس نے ہنسنا سیکھا تھا۔

''میں تمہارا اعتبار کرتی ہوں خضر۔'' اس نے نرمی سے خضر کا ہاتھ تھاما۔

''میں اب تمہاری کسی بات سے ہرٹ ہو کر ناراض نہیں ہوں گی.....اتنی انڈر اسٹینڈنگ تو ہو چکی ہے نا ہم میں۔''

اسے لگ رہا تھا کہ کوئی بات ہے جو اس کی خفگی کے ڈر سے خضر بتا نہیں پا رہا۔ وہ یقین دلانے والے انداز میں کہہ رہی تھی۔

''میں تمہاری زندگی کی ہر اچھی چیز ٹھیک کروں گا۔ جتنی عزت تمہاری میرے دل میں ہے، میں اتنی ہی عزت دنیا کی نظروں میں تمہاری ثابت کروں گا۔''

''خضر۔'' سیمی ایموشنل سی ہو رہی تھی۔

''جتنے لوگوں نے تمہارے ساتھ برا کیا ان سب سے نمٹ لوں گا۔ میں تمہیں تمہارے گھر والوں سے ملواؤں گا سیمی.....تمہاری ماں سے، بھائی سے، بہن سے.....'' خضر کے حلق میں کچھ اٹک گیا تھا۔

''تمہیں کسی کے سامنے جواب دہ نہیں ہونا پڑے گا۔ تمہارے سارے جواب میں دوں گا، لیکن مجھ سے وعدہ کرو کہ تم کبھی اکیلے اپنے گھر نہیں جاؤ گی۔''

''تم مجھے بتائے بغیر ایسا کوئی قدم نہیں اٹھاؤ گی جس سے تمہاری زندگی کو کوئی خطرہ ہو..... اسے میری درخواست سمجھ لو۔''

''ایسا کیوں کہہ رہے ہو خضر..... میں نے تو ایسی کوئی بات نہیں کی۔'' خضر کی باتیں اسے تقویت بخش رہی تھیں۔ وہ محبت پاش نظروں سے اس کو دیکھے گئی۔

''بس تمہیں سمجھا رہا ہوں۔ اور دیکھو وعدہ کرو مجھ سے اس پر قائم رہنا..... اور میں بھی وعدہ کرتا ہوں تم سے۔''

وہ وارفتگی سے دیکھتا ہوا کہتا جا رہا تھا۔ وہ سیمی سے بہت کچھ کہنا چاہتا تھا۔

''ہماری قسمت میں ہمارا ملنا اندھیروں میں لکھا تھا۔ میں پہلی مرتبہ تم سے اندھیرے میں ملا اور روشنی ہو گئی تھی۔ اس بار بھی تم ساری دنیا سے چھپ کر اندھیروں میں میری زندگی میں شامل ہوئی، لیکن اب اپنی قسمت کے یہ اندھیرے میں بہت جلد روشنیوں میں بدل دوں گا۔''

وہ خوشبو جیسی بات کر رہا تھا۔ خضر ایسا ہی تھا۔ وہ جب بھی اس کے آس پاس ہوتا تھا اسے کسی اور چیز کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔ اس کی آنکھیں جھلملانے لگیں۔

''مجھے یقین ہے! ایسا ہی ہوگا۔'' وہ زور زور سے سر ہلانے لگی۔

''کچھ بھی ہو جائے ہم ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے۔'' وہ خود سے بھی کہہ رہا تھا۔ سیمی سے بھی کہہ رہا تھا۔ سیمی نے مسکراتی آنکھوں سے اقرار کیا۔

''ہاں بالکل۔''

''تم لکھنا کب شروع کرو گی؟'' اس کے چہرے کے گرد بال ہٹاتے ہوئے خضر کو ایکدم سے یاد

آیا۔ سیمی چونک گئی تھی۔

''میرا موڈ نہیں ہے خضر، مجھے نہیں لگتا میں الفاظ جوڑ پاؤں گی..... میں نہ لکھ سکی تو اداس ہو جاؤں گی۔''

وہ سر جھکا کر رہ گئی تھی۔ خضر نے اس کی کیفیت پر غور کیا تھا۔ پھر سر ہلا دیا۔

''اوکے! تم پانچ منٹ میں دھک کافی بنا کر یہاں پہنچو۔ ہری اپ۔''

وہ اسے کہتے ہوئے خود بھی تیزی سے اٹھا تھا اور اندر بڑھ گیا تھا۔ سیمی اس کے پیچھے گئی۔ اور اس کے کافی لے کر آنے سے قبل خضر ان سیڑھیوں پر موجود تھا۔

''تم نے بہت دنوں سے مجھے چائے کی کپ کی آفر نہیں بتائی؟'' وہ بیٹھتے ہوئے شرارتاً بولی تھی۔

وہ چائے جو خضر خود بنا کر اسے پلانے والا تھا۔

''فی الحال میرا اسٹال بند ہے، جب اوپن ہو تب آئیں۔''

خضر نے اپنا کافی کا مگ اٹھا کر سیڑھیوں پر رکھا، ٹانگیں لمبی کیں اور گود میں رکھے لیپ ٹاپ کی اسکرین سامنے کی۔

''ارے یہ کیا؟'' خضر کی بات پر ہنستی سیمی کی نظر اس پر پڑی۔ سکرین کے وائٹ صفحے پر اس کے ناول کا نام بولڈ کر کے لکھا گیا تھا۔ اور بریکٹ میں لکھا تھا۔

''آخری قسط۔''

''مگر خضر، میں نے کہا نا.....''

''کام ادھورا نہیں چھوڑنا چاہیے۔'' اس نے نرمی سے اس کو ٹوک دیا۔ وہ سمجھ گئی تھی خضر کیا کرنا چاہ رہا ہے۔

''لیٹس سٹارٹ (چلو شروع کرتے ہیں)''

''آنسوؤں کے اجزا تلخ ہوتے ہیں اور اس کا ذائقہ نمکین۔ لیکن یہ سفر اپنی ساخت پر روانی سے

مشروط ہے۔'' سیمی کے منہ سے نکلے الفاظ خضر کی انگلیاں تیزی سے اسکرین پر سجانے لگی تھیں۔

''محبت..... جو نمکین پانیوں کا سفر کہلاتی ہے، یہ اپنے تیراک کو جزیروں کی سرزمین پر لے جاتی ہے۔''

خضر نے چہرہ موڑ کر سیمی کی طرف دیکھا تھا۔ وہ بھی اسی کی سمت دیکھ رہی تھی..... دونوں سمجھ کر دھیرے سے مسکرا دیئے تھے۔

سیمی نے اپنا سر خضر کے شانے پر ٹکا دیا۔ خضر نے ایک آسودگی سے بھرپور سانس لی تھی۔

وہ اس کے شانے پر سر ٹکائے بولتی جا رہی تھی اور کھٹ کھٹ..... خضر دستگیر لکھتا جا رہا تھا۔

وقت نے اس آخری بھرپور منظر کو افسردہ نگاہ سے دیکھا تھا۔

☆.....☆.....☆

وقت پر لگا کر اُڑ گیا تھا۔ کسی کی محبت پانے اور چاہے جانے کے احساس میں مگن ہو کر دن چھوٹے، راتیں مختصر اور ایک عمر نہایت کم لگنے لگتی ہے۔

اس کا دل اداسی کے دبیز بادلوں کی اوٹ میں چھپ گیا تھا۔ خضر نے رات اپنا بیگ پیک کر لیا تھا۔ اور آج جب اس کی روانگی کا دن تھا، سیمی کو اپنے احساسات چھپانے مشکل ہو رہے تھے۔

''سیمی! یار دیکھو میری شرٹ کا بٹن ٹوٹ گیا ہے۔'' وہ سیمی کی کیفیت سمجھ پا رہا تھا۔ اس لیے بہانے بہانے سے مخاطب کر رہا تھا۔

''اچھا، اتار کے دو میں لگا دیتی ہوں۔'' اس نے کھوئے کھوئے انداز میں جواب دیا تھا۔ بجھی بجھی صورت۔

''اتارنا ضروری ہے، تمہیں پہنے ہوئے بھی تو لگا سکتی ہو۔''

''نہیں۔'' اس نے یک لفظی جواب دیا۔

''یار، تم کس قدر بورنگ ہو، میری بات سنو جو کام تم خود نہیں کر سکتیں..... وہ اپنے کرداروں سے

بھی مت کروایا کرو۔"

خضر کے شکوے پر سیمی ہلکا سا ہنس دی تھی۔

"تم بھی ناں خضر....."

"مجھے لگتا ہے تمہارا سارا رومینٹک موڈ بس اپنی کہانیوں کے لیے ہوتا ہے، میرے حصے میں تو بس ڈپٹ کر خاموش کرا دینا۔"

خضر کی بات اسے دوبارہ ہنسنے پر مجبور کر گئی تھی۔

"دونوں میں سے ایک کا اس طرح ہونا ضروری ہے۔ بیلنس رہتا ہے۔"

وہ منہ چھپا کر مسکرانے لگی تھی۔ خضر دوسری شرٹ نکال کر پہننے لگا۔ سیمی کی نظر اس پر پڑی۔ اس نے شرٹ کا دایاں بازو پہن لیا تھا۔ اور اب بایاں بازو تنگ شرٹ کی وجہ سے آگے نہیں جا پا رہا تھا۔ خضر اپنی پوزیشن سے تھوڑا اونچا بازو کرتا تو آسانی سے پہن لیتا۔ مگر سیمی کو اپنی خالہ کی بات یاد آ گئی تھی۔

"خضر! تمہارا لیفٹ بازو رائٹ بازو کی طرح پورا اونچائی کی طرف نہیں جا سکتا؟" خضر جب شرٹ کے بٹن بند کر رہا تھا تب سیمی نے پوچھا تھا۔ اس کی آواز میں افسردگی گھلی تھی۔

"ہوں۔" وہ اس کی طرف مڑا۔ "ہاں..... ایک حد تک اوپر ہوتا ہے۔ نارمل بازو کی طرح نہیں۔" وہ نارمل انداز میں بولا تھا۔ وہ اب تک اس کا عادی ہو چکا تھا۔ اس کے لیے یہ کوئی بڑی بات نہیں تھی۔

"تمہیں کیا ہوا تھا خضر؟" اس کا دل بھر آیا تھا۔ پہلے ہی وہ خضر کی غیر موجودگی کا سوچ کر روہانسی ہو رہی تھی۔

"اماں جان کہتی ہیں میں سیڑھیوں سے گر گیا تھا جب میں کافی چھوٹا تھا۔"

"ہے۔ تم پریشان ہو رہی ہو؟" وہ چونکا۔ اور آ کر اس کے ساتھ بیٹھ گیا۔

''یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے اوکے۔ مجھے اس سے کوئی دشواری پیش نہیں آتی۔''

''میں تمہارے جانے کی وجہ سے اداس ہوں۔'' سیمی نے بات بدل دی۔ خضر ہنسنے لگا تھا۔

''کیوٹ! ایک ڈیڑھ ہفتے کی بات ہے یار۔'' اس کے ہاتھ سہلائے۔

''ایک ہفتے میں ایک نہیں، آٹھ دن ہوتے ہیں سمجھے۔''

''آٹھ؟ آج سے پہلے تو سات تھے..... کوئی نیا دن ایڈ ہوا؟'' ہنسی دبائی۔

''ہفتے سے اوپر بھی تو ہوسکتا ہے نا۔'' وہ منہ پھلا کر بولی۔

''دن میں دس بار تم سے بات کروں گا۔ پتا بھی نہیں چلے گا تمہیں میری غیر موجودگی کا..... تمہیں پتہ ہے نا تمہارے کان کھانے کی عادت ہے مجھے۔''

''ہوں۔'' وہ بے دلی سے سر ہلانے لگی۔ خضر نے اس کا سر اوپر کیا۔

''سیمی! یار..... اداس ہوگی تو میرا دھیان تمہاری طرف اٹکا رہے گا۔ میں کیسے ٹریول کروں گا، ہوں؟''

''نہیں۔ میں ٹھیک ہوں۔'' اس نے زبردستی مسکرانے کی کوشش کی۔

''مجھے اچھے سے رخصت کرو۔ واپسی پر ایک بہت بڑا سرپرائز تمہارے لیے.....'' خضر نے جوش سے بتایا۔

''اوکے! مجھے یقین ہے خضر، تم بہت اچھے سے ہینڈل کرو گے سب کام۔''

وہ اداسی جھٹکتی ہوئی اٹھی اور خضر کے ساتھ چل دی تھی۔ خضر نے سب کو اللہ حافظ کہا۔ سیمی اس کو باہر تک چھوڑنے آئی تھی۔

''اپنا بہت سارا خیال رکھنا۔'' خضر نے اسے تاکید کی تھی۔ سیمی نے اس کی ٹائی ٹھیک کرتے ہوئے کندھے سے نادیدہ گرد جھاڑی۔

''یہ تمہیں میں کہنے والی تھی۔''

''میرے خیال تم میں ہونا..... تمہارا یہ مسکراتا چہرہ دیکھنے کے لیے میں جلدی آنے کی کوشش کروں گا۔'' خضر ایک مسکراتی نگاہ سے نوازتے ہوئے چلا گیا تھا۔

سیمی کھلے گیٹ سے اتے جاتا دیکھتی رہی۔ ڈرائیور نے اسے ائیر پورٹ پر چھوڑنا تھا۔ خضر نے آخری نظر دور کھڑی سیمی پر ڈالی اور مسکرا دیا۔

☆.....☆.....☆

اگلے دن کی دوپہر چڑھ آئی تھی۔ باہر گیٹ کے ساتھ دیوار پر پھیلی بوگن ویلیا کی بیل تیز دھوپ میں جھلستی جا رہی تھی۔ حنا کچھ دیر آرام کی غرض سے اپنے کمرے میں لیٹی تھی۔

سیمی کو سارے میں اکتاہٹ پھیلی نظر آئی۔ اس کا کسی چیز میں دل نہیں لگ رہا تھا۔ بیزار کن وقت، بے کیف سے لمحے..... ٹائم گزارنے کے لیے اسے کوئی مصروفیت نہیں ملی تو ٹی وی لگا کر بیٹھ گئی۔ کسی چینل کے شو میں ایک معروف رائٹر کو ایک موضوع پر گفتگو کی غرض سے بلایا گیا تھا۔ وہ دلچسپی سے شو دیکھنے لگی۔

کچھ دیر گزری تھی کہ چوکیدار نے اسے آ کر کسی کی آمد کی اطلاع دی۔

''میرا مہمان؟'' سیمی نے حیرانی سے دہرایا۔

''کون ہے؟'' اس نے دوبارہ حیرت سے سوال کیا۔ چوکیدار نے نفی میں سر ہلایا تھا۔

''نام نہیں بتایا۔ کہتے ہیں آپ سے ملیں گے۔'' اس کی بات نے سیمی کی حیرت دوچند کر دی تھی۔ یہاں اس کو کون ملنے آ سکتا تھا۔ اس نے اندر بلانے کی بجائے خود باہر آ گئی۔ آنے والے کا چہرہ دیکھنے سے پہلے وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ وہ اس چہرے کو یہاں دیکھ سکتی ہے۔ اور وہ چہرہ دیکھنے کے بعد سیمی کی پوری ہستی ہل کر رہ گئی تھی۔

''تم.....؟''

معین کھلے دروازے سے سامنے آ گیا تھا۔ وہ مر کر بھی اس کو دیکھنے کی توقع نہیں کر سکتی تھی۔

''تم یہاں کیسے؟'' وہ لاشعوری طور پر دو قدم پیچھے ہوئی۔ چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

دل دھک.....دھک.....دھک۔

☆.....☆.....☆

ایک غیر متوقع چہرہ دیکھ کر لگنے والے اولین شاک سے وہ باہر نکل آئی تھی، مگر جو کیفیت اسے اس شخص کو اپنے سامنے پا کر محسوس ہوئی تھی۔ وہ اس سے پیچھا چھڑانے سے ناکام رہی۔

اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ معین اس کے سامنے ڈرائنگ روم میں بیٹھا ہوا تھا۔ دونوں چپ چاپ، گم صم۔

''دنیا اتنی بھی بڑی نہیں ہے کہ کوئی کسی سے چھپ جائے۔ تو اس کی کھوج لگانا ناممکن ہو جائے، یا اس کا کسی سے سامنا ہی نہ ہو۔''

معین پر ایک نظر ڈال کر سیمی دل ہی دل میں سوچتی چلی گئی تھی۔

''ہمارے اپنے ہمارے کبھی دشمن نہیں ہوتے۔ لیکن ہر عمل کا کوئی نہ کوئی ردعمل ہوتا ہے۔ چچا جان کا یہ شدید ردعمل تھا۔ ان کی جگہ پر خود کو رکھ کر سوچیں تو شاید وہ اتنے ظالم نہ لگیں۔''

معین پاؤں ہلاتا قدرے مضطرب انداز میں کہہ رہا تھا۔ وہ سیمی کو بہت کم دیکھتا تھا، اس سے نظریں ملانا دشوار تھا۔

''اور جو شدید ردعمل کا نتیجہ نکلتا ہے، کیا اس کو بغاوت کا نام دو گے؟'' سیمی نے طنز نہیں کیا تھا۔ وہ بس سوچنے کی کوشش کر رہی تھی کہ معین یہاں پر موجود کیوں ہے۔

''نہیں، شاید احتیاطی تدابیر..... یا بچاؤ کی سبیل۔ جو چچی نے اختیار کی تھیں۔''

معین نے اس کا نام لینے سے گریز کیا تھا۔ سیمی کو محسوس ہوا۔

''تمہیں یہاں کا ایڈریس کس نے دیا معین؟'' وہ بالآخر یہ سوال پوچھنے پر مجبور ہو گئی تھی۔

''مجھے شمائلہ نے اور شمائلہ کو.....'' معین اچانک خاموش ہو گیا تھا۔ اس کی زبان سے نہ خضر کا نام ادا ہوا تھا، نہ اس کے منہ سے ''تمہارا شوہر'' نکل سکتا تھا۔

''اوہ۔'' سیمی اس کے ادھورے جملے کا پورا مطلب سمجھ گئی تھی۔

''اور تمہیں کیوں لگا کہ میں تمہارا استقبال کروں گی۔ ہمارے تعلقات شاید بہت دوستانہ رہ چکے ہیں'' سیمی نے خود ہی سوال کیا اور خود کو ہی جواب دے دیا تھا، مگر معین کو یہ طنز محسوس ہوا۔ اس نے سر اٹھایا تھا۔

''اور تم مجھے ہمدردی میں آگاہ کرنے چلے آئے ہو گے کہ میرا باپ میرے ساتھ اب کیا کرنے والا ہے۔''

''نہیں۔'' اس نے نفی کر دی۔ ''اگر ایسی بات ہوتی تو میری جگہ آج وہ یہاں موجود ہوتے۔''

''تمہارا موجود ہونا کافی نہیں ہے؟'' سیمی کی سوالیہ نگاہوں نے معین کو اندر سے لاجواب کر دیا تھا۔

''میں نے انہیں بتایا، اور اگر وہ یہاں پر موجود بھی ہوتے تو تمہیں ڈرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ ورنہ وہ اتنے دن خاموش بیٹھتے؟''

''ہاں، یہی مجھے حیرت ہے۔'' وہ سر جھٹک کر استہزائیہ ہنسی تھی۔ اسے اس شخص کی بات پر یقین نہیں تھا۔

''میں نے انہیں کہا ہے کہ جو ہونا تھا وہ ہو چکا ہے۔ اور جو ہو چکا ہے وہ کبھی پہلے جیسا نہیں ہو سکتا۔ انہوں نے مجھ سے وعدہ کیا ہے۔''

معین کی سنجیدہ بات نے سیمی کو اسے دیکھنے پر مجبور کر دیا تھا۔

''کیسا وعدہ؟''

''وہ تمہیں نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ میں نہیں چاہتا میرے خاندان کا مزید تماشہ بنے۔''

''پہلے وہ ارادہ رکھتے تھے؟'' سیمی کا دل دکھا۔

''ہوں، ان کے عزائم خطرناک تھے۔''

''گرمی شدید ہے۔ تمہارے لیے کچھ پینے کو لاتی ہوں۔'' کافی دیر بعد دل ہی دل میں دکھی رہنے کے بعد اسے خیال آیا تھا۔ اتنی دیر سے معین خاموش سا بیٹھا زمین کو گھورتا رہا تھا۔

''نہیں۔'' اس نے بے ساختہ روکا۔

''میں یہاں بیٹھنے نہیں آیا تھا، مجھے اب چلنا چاہیے۔ میری آمد بری لگی ہو تو معذرت۔''

وہ کہنے کے ساتھ ہی اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ جب اس نے دو قدم بڑھائے تب سیمی نے پکارا تھا۔

''معین! تم یہاں کیوں آئے تھے؟''

''اپنی خواہش سے نہیں آیا۔'' پہلی بار ایک مجبوری سی مسکراہٹ نے اس کے لبوں کا احاطہ کیا تھا۔ اس کے دل کی کیا کیفیت ہو رہی تھی یہ سیمی نہیں جان سکتی تھی۔ اس کی کیفیت کوئی دوسرا نہیں جان سکتا تھا۔ سامنے کھڑی لڑکی اس کی بچپن کی منگ تھی، جواب کسی اور کی بیوی تھی۔

اس کا دل چاہا وہ پلٹ جائے۔ سیمی کو واپس ان کے خاندان میں نہیں آنا چاہیے۔ وہ ایک پل میں نکل جاتا اگر سیمی اس کو نہ پکار لیتی۔ اس کی پکار معین کی کیفیت پر کانچ کا ٹھوکر تھی۔

وہ یہاں کس مقصد سے آیا تھا؟

''تو پھر کیوں آئے؟''

''اس ردعمل کے جواب کا نتیجہ بتانے..... جو بیک وقت دو دو نکلے تھے۔ تمہیں صرف اپنا پتا ہے، یا دوسرا بھی؟''

ایک سیکنڈ لگا تھا اسے یہ بات کہنے میں..... اور اس سیکنڈ میں اس نے اپنے مقصد کو چن لیا تھا۔

''دوسرا..... میں سمجھی نہیں؟'' اس کا اندازہ ٹھیک نکلا تھا۔ سیمی اس بات سے آگاہ نہیں تھی، اسے

لگا تھا یہ بات ہی اثر انداز نکلے گی، مگر اب تو یہ اور بھی کاری ثابت ہونے جا رہی تھی۔

''ثانیہ۔'' اس کے لہجے میں افسوس گھل گیا۔ ''اس کے لیے تمہارے پاس آیا تھا۔ وہ اپنے شوہر کو لے کر اسی شہر میں ہے۔ ہاسپٹل میں داخل۔'' معین نے ہاسپٹل کا نام بتایا۔

''ثانیہ..... شوہر.....'' سیمی کے دماغ نے اس کی بات جذب نہیں کی تھی۔ ''کیا الجھانے والی بات کر رہے ہو تم؟''

''ثانیہ کا نکاح ہو گیا تھا اس صبح، جس صبح تم اس گھر میں نہیں تھی۔ نکاح نہیں رکا تھا۔ انسان بدل گیا تھا، تم نہیں تھیں ثانیہ کا کرم الٰہی سے.....''

وہ خاموش ہو گیا تھا۔ خاموش ہو کر سیمی کی صورت دیکھنے لگا۔ وہ یک ٹک اس کو دیکھتی جا رہی تھی۔ آنکھیں چھوٹی کر کے..... پھر وہ ہنسی۔ چہرہ اوپر اٹھا کر وہ کھلکھلا کر ہنستی چلی گئی تھی۔

''تم! معین.....'' وہ اس لطیفے پر لوٹ پوٹ ہو رہی تھی۔ ''تم اس مقصد سے یہاں آئے تھے؟'' انگلی اٹھا کر گھمائی۔ معین ضبط سے یہ ہنسی برداشت کر رہا تھا۔

''ہاں بدقسمتی سے..... اس سے شاید ملنا چاہو۔''

''تمہیں سچ میں لگتا ہے میں تمہاری بات کا یقین کر لوں گی؟ کیا کہانی نکالی ہے تم نے معین، شاباش..... اپنے خاندان میں صرف میں اکیلی کہانی کار نہیں ہوں۔ تم بھی خاصا نام بنا سکتے ہو۔'' وہ سیدھا سیدھا اس کا مذاق اڑا رہی تھی۔ پھر ایک منٹ بعد اس پر ہنسی کا دورہ پڑ گیا۔

''مجھے تم سے یہی امید تھی۔ میں چلتا ہوں۔'' وہ مزید کوئی بات کہے بغیر جانے کے لیے تیار تھا۔

''مجھے معلوم تھا تم میرا یقین نہیں کرو گی، پھر بھی ثانیہ کے کہنے پر.....''

''چپ ہو جاؤ معین! بار بار میری بہن کا نام مت لو۔'' ہنسی اڑن چھو ہوئی۔ غصے کی تمازت سے اس کی رنگت دہک اٹھی تھی۔

''سیمی اب وہ بے وقوف لڑکی نہیں ہے جو شمائلہ کی ہمدردی میں آ کر اس کی خود غرضی کی سولی چڑھ گئی تھی۔ تم یہ جھوٹی کہانی استعمال کر کے مجھے ٹریپ نہیں کر سکتے۔ مجھے دوبارہ اس بات کا یقین دلانے کبھی مت آنا۔''

اس کا فشار خون بلند ہو رہا تھا۔ وہ انتہائی طیش میں کہہ کر نظروں کا زاویہ بدل کر کھڑی ہو گئی۔ اب وہ جا سکتا ہے۔ جانے والے نے اثبات میں سر ہلایا۔

''میں یہ یقین دلانے دوبارہ نہیں آؤں گا۔ تمہیں صرف ایک ہی انسان پر یقین کرنا چاہیے۔ کرنا چاہو تو کر لینا..... اپنے شوہر سے پوچھ لو، وہ اس بارے میں اتنا بے خبر نہیں ہوگا۔''

بوجھل دل کے ساتھ لفظ شوہر ادا کرتے ہوئے کرب کا گھونٹ معین نے بھرا..... لیکن اس کا زہر سیمی کے اندر گھلنے والا تھا۔

☆.....☆.....☆

معین جا چکا تھا۔

سیمی کتنی دیر بیٹھ کر خود پر قابو پاتی رہی۔ اسے لگا اس کا بلڈ پریشر ہائی ہو رہا ہے..... پھر اسے اپنا چہرہ تپتا محسوس ہونا شروع ہوا۔ معین کے جانے کے کچھ دیر بعد معین کی باتوں کا اثر شروع ہو گیا تھا۔

''میری بہن کے ساتھ ایسا نہیں ہو سکتا۔'' وہ بے خیالی میں بڑبڑائی تھی، اور اپنی خود کلامی سے چونک گئی۔

یہ کسی بھیانک سپنے جیسا تھا۔ اس کا دل لرزنے لگا تھا۔ اسے پوچھنے کی ضرورت نہیں تھی کہ کرم الٰہی کون تھا اور یہ کیسے ہو گیا تھا۔

وہ اپنے باپ سے کوئی اچھی امید رکھ سکتی تھی؟

اس نے محسوس کیا کہ اس کے گال بھیگ رہے ہیں۔ اس نے ہاتھ پھیر کر گالوں پر پانی محسوس کیا۔

''میں کیوں رو رہی ہوں۔ وہ جھوٹ بول رہا تھا۔''

وہ جیسے اپنی ہی حالت سے خائف ہو گئی تھی۔ غصے سے آنسو جھٹکے۔ وہ کس کی باتوں میں آ رہی تھی۔ لیکن وہ کسی کی باتوں میں نہیں آ رہی تھی۔ اس کا دل دکھ کی لپیٹ میں آ رہا تھا۔

بہت کوشش کے باوجود جب وہ ضبط نہیں کر سکی تو کپکپاتے جسم کے ساتھ اٹھی۔ اس کا ایک ایک اعضا چلا چلا کر کہہ رہا تھا کہ معین سچ بول کر گیا ہے۔ اس کے لہجے میں جھوٹ نہیں تھا۔

موبائل کے بٹن پریس کرتے ہوئے اس کے ہاتھوں میں رعشہ اتر آیا تھا۔ اس نے اپنی آواز پر قابو پانے کی کوشش کی، اس نے سوچا نہیں تھا، خضر کے جاتے ہی اسے خضر کی بے تحاشا ضرورت پڑے گی۔

وہ ہر تکلیف میں اس کے پیچھے چھپتی آئی تھی۔ اس کا ہر آنسو وہ شخص چننے کے لیے موجود ہوتا تھا۔ اور آج وہ اس کے آس پاس کہیں نہیں تھا۔

اس کے موبائل میں موجود ''My Love'' کی ٹیون اسے سنائی دے رہی تھی۔ بیل جا رہی تھی.....اور سیمی کی روح نکلتی جا رہی تھی۔

''ہیلو!'' خضر کی مصروف آواز سنائی دی۔ سیمی کی جان میں جان آ گئی۔

''ہیلو خضر.....''

''سویٹ ہارٹ! میں تھوڑا سا بزی ہوں، تم سے بات.....''

''خضر! ثانیہ کے ساتھ کیا ہوا ہے؟'' اس کی روتی آواز خضر کے کانوں تک گئی تھی۔ دوسری سمت خاموشی چھا گئی۔

''کیا تمہیں معلوم تھا، ثانیہ ہاسپٹل ہے؟''

''سیمی.....'' خضر نے تیزی سے اسے پکارا۔

''کیا واقعی ثانیہ ہاسپٹل ہے؟'' بے یقینی سے سیمی کے دل میں بے پناہ درد اٹھا۔

''میری بات سنو! کس نے تم سے کہا یہ سب.....؟'' خضر نے ساری مصروفیت جیسے بھاڑ میں جھونکی۔ دل صرف سیمی کا نہیں رکا تھا، خضر کا بھی رکا تھا۔

''تمہیں معلوم تھا کہ ثانیہ کا نکاح.....'' اس کی زبان بھی اگلے الفاظ کا بوجھ نہیں اٹھا پائی تھی۔ اس کا دل ٹکڑے ٹکڑے ہوتا جا رہا تھا۔ وجود کو بجلی کے جھٹکے لگ رہے تھے۔

''خاموش ہو جاؤ، سب سے پہلے ایک گہری سانس لو، میں ایکسپلین کرتا ہوں تمہیں۔''

''تمہیں معلوم تھا کہ نہیں؟'' وہ حلق پھاڑ کر چلائی تھی۔ اس کے اپنے گلے میں خراشیں پڑ گئیں۔ خضر فوری طور پر کچھ بولنے کے قابل نہیں رہا تھا۔

''کچھ روز پہلے.....'' اس نے دھیرے سے اعتراف کیا تھا، لیکن سیمی نے کچھ سنا ہی نہیں۔

''میری معصوم سی بہن، جس نے زندگی کو برتنا بھی نہیں سیکھا وہ میرے اٹھائے قدم کی سزا بھگت رہی ہے.....اس انسان کے ساتھ اسے باندھ دیا گیا تھا جس سے مجھے بچایا گیا تھا۔''

آنسو اس کے چہرے پر سلسلے وار بہہ رہے تھے۔ خضر بہت کوشش کر رہا تھا کہ وہ اس کی کوئی بات سن لے مگر اس کے کان سائیں سائیں کر رہے تھے۔

''میں بڑی تھی، میں بھگت سکتی تھی۔ وہ اتنی چھوٹی سی بچی.....میری ثانیہ.....وہ در در کی ٹھوکریں کھا رہی ہے۔''

درد کی شدت سے اس کی آواز پھٹ رہی تھی۔ اس کی باتیں خضر کا دل چیر رہی تھیں۔ ثانیہ کی وجہ سے وہ کئی راتیں سو نہیں پایا تھا.....اور اس عذاب سے اب سیمی گزرنے والی تھی۔

''سیمی! خدا کے لیے چپ ہو جاؤ۔ میں نے اسی وجہ سے تمہیں نہیں بتایا۔ میں آتا ہوں اور مل کر کوئی راستہ نکالتے ہیں۔ پلیز اتنی تکلیف مت دو خود کو۔''

خضر کی آواز میں شدید بے چارگی تھی۔ وہ خود کو قفس کا پنچھی محسوس کر رہا تھا، جو قید سا ہو کر اس کے

لیے کچھ نہیں کر پا رہا تھا۔

''میری بہن رلتی رہی، اور میں تمہارے ساتھ ہنس ہنس کر زندگی کی شروعات کر رہی تھی۔''

''سیمی.....'' خضر کا دماغ بھک کر کے اڑا۔

''تم نے کہا تھا تم ہر بات بتاؤ گے مجھے..... مگر تم نے اتنی اہم بات چھپائی۔ صرف اس لیے کہ وہ میری بہن تھی خضر.....''

''میرے خلوص پر شک کر رہی ہو۔'' خضر کی آواز دکھ سے چُور ہو گئی تھی۔

''میری غلطی ہے یار، مجھے تمہیں بتا دینا چاہیے تھا۔ ہمت نہیں ہوئی میری.....''

''تم مجھے اس سے ملانے لے جا سکتے تھے۔ مگر تم نے صرف اپنے سکون کا سوچا۔ تمہیں اپنی زندگی میں ایک دکھی چہرہ نہیں چاہیے تھا۔''

وہ پھر سے بدگمان ہو رہی تھی۔ دکھ بہت بڑا تھا، وہ جتنا بھی بول لیتی ہلکا نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ پھر سے صفر ہو کر رہ گئی تھی..... پھر سے بے وقعت.....

''فار گاڈ سیک! مجھے جب پتہ چلا میں واپس گیا تھا اسے دیکھنے لیکن.....''

''لیکن تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا۔ مجھے کسی تیسرے سے پتہ کیوں چل رہا ہے۔''

وہ پھر سے چیخ اٹھی تھی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی۔ وہ اسے ٹوٹنے سے بچانا چاہتا تھا، لیکن آج اس توڑ پھوڑ کی چھنکار اسے دور بیٹھے بھی سنائی دے رہی تھی۔

''تمہیں یہ بتایا کس نے ہے، مجھے بتاؤ۔''

''سب ختم ہو گیا خضر! میں اپنی ہی بہن کی دشمن بن گئی..... مجھ سے زیادہ سزا تو اس کے حصے میں آئی۔ سب ٹھیک کیسے ٹھیک ہو سکتا ہے خضر۔''

وہ مایوسی کی انتہا پر پہنچ چکی تھی۔ اس کا دماغ کام کرنا بند کر چکا تھا۔

''سیمی.....سیمی! تم ابھی ہوش میں نہیں ہو۔ تم نے کہا تھا تم ہمیشہ مجھ پر یقین رکھو گی۔ سو ٹرسٹ می یار، کوئی غلط قدم مت اٹھانا۔''

خضر کا دماغ تیزی سے کام کر رہا تھا۔ وہ اسے اب اگلے قدم سے روکنا چاہ رہا تھا۔

''حنا.....حنا کہاں ہے؟ اسے فون دو۔ میری بات سن رہی ہو؟''

خضر نے اونچی آواز میں اسے مخاطب کیا تھا۔ مگر اس نے فون دور پھینک دیا تھا۔ وہ اب کچھ سننے کی چاہ نہیں رکھتی تھی۔

وہ ساری باتیں سچ ہو گئی تھیں جس سے وہ نظریں چرانا چاہتی تھی۔

سیمی موم کا ڈھیر ہوئی، اور اس ڈھیر میں رشتہ، محبت، اعتماد، یقین، وعدہ سب نیچے دب گئے۔

☆.....☆.....☆

وہ اسی ٹوٹی بکھری حالت میں گھر سے نکل آئی تھی۔

اس کے قدم زمین پر نہیں پڑ رہے تھے۔ وہ کس حال میں تھی اسے پروا نہیں ہو رہی تھی۔ اس کے سامنے ہر منظر پر کہرا پھیلا تھا۔

وہ بار بار اپنا منہ چھپاتی تھی اور آنسو پونچھتی تھی۔ اس کے ذہن میں خضر کی باتیں نہیں گونج رہی تھیں۔ وہاں معین کی آواز کا پہرہ بھی نہیں تھا۔

اسے بس بار بار ثانیہ کا خیال آ رہا تھا۔ اس کی صورت آنکھوں میں گھوم رہی تھی۔ اس پر کیا بیتی تھی۔

اتنا عرصہ وہ کن کانٹوں پر گزارتی رہی تھی۔ اور وہ کیا سوچتی رہی تھی کہ سیمی اپنی سزا اس کو دان کر چلی گئی۔ روڈ پر آ کر اس نے آٹو روکا اور اسے گورنمنٹ ہاسپٹل چلنے کا کہا تھا۔ کاش کہ اس وقت وہ معین کے ساتھ چلی جاتی۔ ثانیہ اس کی راہ تکتی ہو گی۔ اور اس کی آنکھوں میں کیسی مایوسی چھا گئی ہو گی جب اس نے معین کو اکیلا واپس آتا دیکھا ہو گا۔ سارا راستہ وہ یہی سوچتی رہی تھی۔ روتی رہی تھی۔ اس کی منزل

قریب آ گئی تو وہ کچھ فاصلے پر اتر گئی تھی۔ چوک کی دوسری طرف سے ہاسپٹل کا گیٹ نظر آ رہا تھا۔

ثانیہ اس گیٹ کے پار تھی۔ وہ اس حالت میں اس کو کیسے دیکھ پائے گی۔ اس کرم الٰہی کے ساتھ جس نے نجانے اس کی زندگی کس قدر جہنم بنا کر رکھی ہوگی۔

اس نے چوک کراس کر لیا تھا۔ چند قدم پیچھے ایک سیاہ گاڑی کھڑی تھی۔ اس کی نظر اس سیاہ گاڑی پر نہیں تھی۔ اس کا دھیان کسی طرف نہیں جا رہا تھا۔ اس تپتی دوپہر وہ ننگے پاؤں چل رہی ہوتی تب بھی اسے تپش یا کسی اور چیز کا احساس نہیں ہو رہا تھا۔

وہ اس گاڑی کے قریب سے گزرنے لگی جب اسے جانی پہچانی آواز سنائی دی۔

''سیمی.....'' یہ معین کی آواز تھی۔ کہاں سے آئی تھی اسے سمجھ نہیں آئی تھی۔ اس نے ناسمجھی سے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ کوئی بھی نہیں تھا۔

عین اسی لمحے گاڑی کا دروازہ کھلا۔ ایک ہاتھ سیمی کی کلائی پر پڑا تھا۔ اس کے سامنے دیکھنے سے پہلے اس کے جسم کو ایک زوردار جھٹکا لگا۔

تین عین نشانے پر جا کر لگا تھا۔ ثانیہ یہاں کہیں نہیں تھی۔ انہوں نے اندازے کے مطابق سیمی کو یہاں بلایا تھا کیونکہ اس راستے سے وہ آسانی سے اور بہت جلدی پہنچ جاتی۔

وہ بہت سمجھدار تھی اور سمجھداری سے ٹریپ ہو گئی تھی۔

حاکم نے اس کی کلائی سے پلک جھپکتے اسے اندر کھینچ لیا تھا۔ اس کی چیخ نکلنے سے بھی پہلے فضا میں گاڑی کے ٹائر چرچرا اٹھے تھے۔

لمحے بھر کا کھیل تھا۔ خوف سیمی کی آنکھوں میں جم کر رہ گیا تھا۔

☆.....☆.....☆

ثانیہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔ کچھ دیر پہلے ذرا سی جھپکی آئی تھی، اور نجانے کیا ہوا.....اسے

لگا اس کا دل پسلیاں توڑ کر باہر آ رہا ہے۔

دوائیاں رکھتا شمریز تیزی سے اس کے قریب آیا تھا۔

''کیا ہوا ہے، تم ٹھیک ہو؟''

وہ دل پر ہاتھ رکھے گہرے گہرے سانس لینے لگی تھی۔ شمریز کو تشویش لاحق ہوئی۔

''میرے دل کو کچھ ہو رہا ہے، جیسے کچھ ہونے والا ہو شمریز۔''

''تم نے ضرور برا خواب دیکھ لیا ہے۔'' وہ تیزی سے مڑا۔

''نہیں شمریز، برا خواب نہیں کچھ اور ہے..... مجھے ایسا کبھی محسوس نہیں ہوا۔ دیکھو میرے ہاتھ پاؤں چھوڑ رہے ہیں۔''

گھبراہٹ اس کے چہرے پر نظر آ رہی تھی۔ ماتھے پر چمکتا پسینہ..... شمریز نے اس کا کندھا سہلایا۔

''ریلیکس ثانیہ، کچھ نہیں ہے۔ تم ڈر گئی ہو..... یہ ہاسپٹل ہے، بہت دنوں سے تم اس ماحول میں رہ رہی ہو۔ طبیعت پر تو اثر پڑنا تھا نا۔''

شمریز نے نرمی سے کہتے ہوئے گلاس اس کی طرف بڑھایا تھا۔

''یہ لو جوس پیو۔''

''نہیں۔'' اس نے پریشانی سے نفی میں سر ہلایا تھا۔ وہ اس کو اپنی فیلنگز نہیں سمجھا سکتی تھی۔

''تھوڑا سا پی لو پلیز..... تم گھر جانا چاہتی ہو تو چلی جاؤ، تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔ میں یہاں ہوں۔''

شمریز کی بات پر اس نے چونکتے ہوئے دیکھا تھا۔ اس نے ثانیہ کا ہاتھ پکڑ رکھا تھا اور پنجوں کے بل اس کے سامنے بیٹھا تھا۔ ثانیہ نے اپنا ہاتھ چھڑا لیا۔

''میں ٹھیک ہوں۔'' چپکے سے اس نے وہ گلاس لے لیا تھا اور مزید بات سے بچنے کے لیے وہ لبوں سے بھی لگا لیا۔

شمریز خاموش ہو گیا تھا۔

مگر اس کے دل پر عجیب کیفیت طاری تھی۔ وہ جانتی تھی یہ کچھ اور تھا۔

کچھ الہام جیسا..... کچھ بہت برا.....

☆.....☆.....☆

''آپ کی مدد کا بہت شکریہ۔''

یہ میسج شمائلہ بہادر خان کی فون اسکرین پر چمک رہا تھا۔ وہ ایک جھٹکے میں اٹھ بیٹھی۔

اس نے ایک میسج کو پڑھا۔ ایک بار، دو بار، سہ بار..... اتنی بار کہ اس کا سانس پھول گیا تھا۔

اس میسج کا کوئی اور مطلب نہیں ہو سکتا تھا۔ یہ مختصر سا جملہ ایک پوری داستان سنا رہا تھا۔

شمائلہ کے دل و دماغ سے سارا بوجھ سرکتا چلا گیا تھا۔ خوش گوار احساس سے اس کا چہرہ کلی کی مانند کھل اٹھا تھا۔

موبائل رکھ کر اس نے ایک بھرپور انگڑائی لی تھی۔ بالآخر اس میدان میں وہ جیت گئی تھی اور یہ اس کی جیت کا آغاز تھا۔ اس نے خوشی میں جھومتے ہوئے شمریز کو کال ملائی تھی۔

''شمریز! تم اس وقت کہاں ہو۔ ہمیں فوراً واپس گھر جانا ہے۔''

''خیریت؟'' اس کی شور میں سے آواز سنائی دے رہی تھی۔ وہ کہیں باہر لگ رہا تھا۔

''سیمی گھر واپس آ گئی ہے۔'' اس نے لطف اندوز ہوتے ہوئے بتایا۔ شمریز کو بہن کی خوشی محسوس ہوئی۔ سیمی سے لگاؤ کا اندازہ ہوا۔

''اوہ۔'' شمریز نے ایک پرسکون سانس خارج کی تھی۔

''اللہ کا شکر ہے، میں امید کرتا ہوں وہ خیریت سے ہو۔''

''خیریت سے ہی ہے۔'' وہ سرمستی سے بولی تھی۔ ''تو کب چل رہے ہو؟''

''میرا ابھی چلنا ممکن نہیں شمائلہ، تم چلی جاؤ میں کام ختم کر کے آؤں گا۔''

''کون سا کام شمریز..... تم گھر بھی چند منٹ میں شکل دکھانے آتے ہو۔ تم اپنے کس دوست کے پاس ہو؟'' شمائلہ نے یونہی پوچھ لیا تھا ورنہ جو خوشی اسے ملی تھی اس کے آگے وہ کسی اور بات پر نہیں سوچنا چاہتی تھی۔

''میں ثانیہ کے ساتھ ہاسپٹل ہوں۔ وہ اکیلی ہے، اسے میری ضرورت نہیں مگر میں اسے تنہا نہیں چھوڑ سکتا۔''

''شمریز، تم.....'' شمائلہ کو چپ لگ گئی تھی۔ یہ اس کے وہم وگمان میں نہیں تھا۔

''میں احمر کو کہتا ہوں تمہیں ڈراپ کر دے گا۔''

''اور بابا نے تمہارا پوچھا تو.....؟''

''کہنا میں ثانیہ کے ساتھ ہی گاؤں واپس آؤں گا۔ اب تک انہیں یہ حقیقت قبول کر لینی چاہیے۔''

شمریز نے بات ختم کر کے کال کاٹ دی تھی۔ شمائلہ کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کیا کرے اس لڑکے کا۔ اسے اب تک سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ ان کا ساتھ ممکن نہیں تھا۔ تقدیر نے ہی نہیں لکھا تھا۔ شمریز کچھ بھی کر لے وہ لوگ کسی صورت نہیں مانیں گے..... کیونکہ وشمائلہ کا قصور بخوبی جانتے تھے۔

سوچتے سوچتے شمائلہ نے سر جھٹکا تھا۔ خیر..... فی الحال وہ اپنا سوچے گی۔ خضر کو سیمی کی عادت ہو گئی تھی۔ اب یہ عادت چھوڑ جائے گی۔ اسے بہت جلد شمائلہ کی ضرورت پڑ جائے گی کیونکہ بالآخر یہ یونہی ہونا تھا۔ ضروری تو نہیں ہے نا جو انجام خوب صورت لگ رہا ہو ہمیشہ وہی ہی ہو۔

شمائلہ دل ہی دل میں مسکرائے جا رہی تھی۔

☆.....☆.....☆

وہی مثل بہشت.....اور مثل بہشت کے نظارے۔

بھاگتے دوڑتے منظر تھے۔بہتی ندیوں کا شور تا۔تنہائی بھرا سکوت تھا۔

ویسے ہی در و دیوار، درخت چرند پرند.....لوگ باگ، زمین مکان۔

سب کچھ ویسا ہی تھا جیسا وہ چھوڑ کر گئی تھی۔صرف وہی تھی جو شاید بدل کر آ گئی تھی۔بہت کچھ پیچھے چھوڑ کر آئی تھی۔بہت کچھ پیچھے سے لے کر آئی تھی۔

اس کے ابا کے جسم میں پارہ دوڑ رہا تھا۔وہ اسے کھینچتے ہوئے اندر لائے تھے۔سیمی کو ٹھوکر لگی تو وہ ان کے قدموں میں گری۔انہوں نے دیکھا اور گھسیٹتے ہوئے صحن کے وسط میں لائے تھے۔سب سے پہلے اس پر تاجور کی نگاہ پڑی تھی۔

تاجور کی نگاہ.....

جو پلٹی تو ہاتھ میں پکڑا برتن گر گیا تھا اور گر کر دور تک لڑھکتا چلا گیا تھا۔سیمی کو اپنے سامنے پا کر جیسے تاجور کو سانپ سونگھ گیا۔

اسے جیسے ابھی سور پھونکا جائے گا اور تاجور کھڑے کھڑے تباہ ہو جائے گی.....حاکم نے اس کا بازو حقارت سے جھٹکا اور ایک جتاتی نگاہ تاجور پر ڈالی۔

فاتحانہ نگاہ، پھولتے پچکتے نتھنے.....کچکچاتے دانت۔کیسے کیسے تاثرات تھے جس نے تاجور کی صورت سیاہ راکھ کر دی تھی۔

''سیمی.....'' ایک سانس کے ساتھ ان کے منہ سے نکل گیا تھا۔سیمی اپنی جگہ سے اٹھی۔اس نے ایک ترستی نگاہ ماں پر ڈالی تھی۔اس نگاہ میں کیا کچھ نہیں تھا تاجور کے لیے.....تاجور کے قدم جیسے زمین جکڑ چکی تھی، مگر سیمی کے قدم آزاد تھے۔وہ بھاگ کر تاجور کے پاس گئی تھی اور بھینچ کر گلے لگا دیا تھا۔

''میری ماں.....میری پیاری ماں۔'' وہ اسے بے اختیار چومتی چلی گئی تھی۔وہ یہ صورت دیکھے

بغیر کتنا عرصہ رہ کر آ رہی تھی۔ مائیں جن سے دل ٹھنڈے ہوتے ہیں اور آنکھیں سکون پاتی ہیں۔

وہ ان کے بغیر یہ دن کاٹتی آئی تھی۔ سیمی بار بار گلے لگاتی تھی اور ان کے گال چومتی تھی۔ اس کا دل نہیں بھر رہا تھا۔ ایسے میں تائی جی نے ایک زوردار تالی بجائی تھی۔ اس منظر میں موجود لوگوں میں سے سب سے پہلے اسی کو ہوش آیا تھا۔

''واہ بھئی! معین کو بلاؤ، کوئی پھولوں کے ہار نہیں لے کر آیا کیا..... بیٹی واپس آئی ہے۔''

وہ ایک قہقہہ مار کر ہنستی چلی گئی تھی۔ معین اندر آتے ہوئے دروازہ بند کر رہا تھا۔ تائی جی نے اسے ہی پکار لیا۔

''تم سے کہہ رہی ہوں معین، تمہیں کب عقل آئے گی۔ دیکھا نہیں کتنا بڑا کارنامہ سرانجام دے کر لوٹی ہے۔ سر پر بڑا سا تاج پہن کر..... بغیر پھولوں کے تو استقبال ہی پھیکا کر دیا۔''

ان کی طنز سے چمکتیں نگاہیں سیمی پر جمی تھیں۔ ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ ایسا دلچسپ تماشا آج شام وہ دیکھنے والی ہیں۔ سیمی واپس آ گئی تھی۔ گھر تھیٹر کا منظر پیش کرنے والا تھا۔ روز روز نیا کھیل دیکھنے کو ملا کرے گا۔

''سیمی! تم کیوں آئی ہو واپس، کہا تھا نا میں نے تمہیں۔'' تاجور کے چہرے پر مردنی سی چھانے لگی تھی۔ ایک ماں کے سامنے جیسے اس کی اولاد کی گردن پر چاقو رکھ دیا گیا ہو۔ تکلیف کے شدید آثار وہاں ابھر رہے تھے۔

''یہاں انسان نہیں بستے، تمہارے لیے یہاں کچھ نہیں ہے۔ تم کیا سوچ کر یہاں.....''

''میرے اپنے یہاں ہیں۔ میں ان کے بغیر کیسے رہ سکتی تھی؟'' سیمی نے پہلی بار کوئی بات کی تھی۔ تاجور کی آنکھوں سے شدید ناراضگی جھلکنے لگی۔

''تمہیں تو یہی لگا تھا کہ تم اسے میری نظروں سے ہمیشہ کے لیے دور کر چکی ہو۔'' ابا ان پر نظریں

جمائے مضحکہ اڑانے والے انداز میں کہہ رہے تھے۔

''مگر تم بھول گئیں کہ تم میرا مقابلہ نہیں کر سکتیں۔ اب بتاؤ، اب کیا کرو گی۔ کہاں بھگاؤ گی اسے..... کیسے بچاؤ گی مجھ سے۔۔؟''

''اولاد مقابلہ کرنے کے لیے نہیں ہوتی حاکم..... میں نے صرف اپنی اولاد کے لیے کیا جو کیا۔ اس میں تمہیں شکست دینے یا تمہارے خلاف جانے والی کوئی بات نہیں تھی۔''

وہ سیمی کے آگے آ گئی تھی۔ ایک بار پھر سیمی کی ڈھال..... ایک بار پھر مجبور۔ جیسے وہ ابھی ہاتھ جوڑ دیں گی۔

''اماں! آپ کچھ مت کہیں، مجھے ابا سے بات کرنے دیں۔'' سیمی نے تاجور کے کندھے پر ہاتھ رکھا تھا۔ حاکم کا سر گھوما۔

''اپنی زبان سے مجھے پکارنے کی جرأت بھی مت کرنا۔ ایسی بے حیا اور سرکش اولاد سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے۔''

ان کی دھاڑ میں ایسی نفرت، ایسی حقارت تھی کہ سیمی جیسے نیلی پڑ گئی تھی۔ جو وقت بیتا تھا اس نے ابا کو نرم نہیں کیا تھا۔ بلکہ دل اور پتھر کر دیا تھا۔ نفرت کی انتہا ہو گئی تھی۔

''ابا!'' سیمی کے چہرے پر کرب کی پرچھائیاں لہرا رہی تھیں۔ کیا اپنی اولاد کے لیے ذرا سا رحم بھی دل میں بیدار نہیں ہو سکتا؟

''آپ نے کوئی تعلق بچایا بھی نہیں ہے، غلطی میری تھی آپ نے ثانیہ کے ساتھ کیوں کیا ایسا..... اس کا کیا قصور تھا۔ ابا، آپ اتنے تو بے رحم نہیں تھے۔ کم از کم اپنی اولاد کے لیے۔''

اس کا لہجہ دکھ کی مختلف کیفیات میں کروٹ بدل رہا تھا۔ تاجور کے دل میں جیسے انی گڑ گئی۔ سیمی کو معلوم پڑ گیا تھا۔

''خاموش۔'' حاکم نے انگلی اٹھا کر دانت پیستے ہوئے اس پر جھپٹنے کی کوشش کی تھی۔ سیمی سہم کر دو قدم پیچھے ہوگئی۔ حاکم نے بمشکل زمین پر ٹھوکر ماری تھی۔

''مجھے اگر معلوم ہوتا کہ تم لوگ میری عزت کی دھجیاں بکھیرنے والی ہو..... میں پیدا ہوتے ہی تم لوگوں کو کوڑے دان میں پھینک دیتا۔''

اور اس کا دل شق ہوا۔ حاکم کا اگلا زہر اس کے اندر اتر گیا تھا۔ حاکم نے پیچھے کھڑے صدام کو اشارہ کیا۔ وہ آگے بڑھے اور سیمی کی کلائی میں ہاتھ ڈالا۔

''اب میں دیکھتا ہوں، تمہیں یہاں سے کون نکالتا ہے..... تم نے لوگوں کو مجھ پر ہنسنے کا موقع دیا۔ میں انہیں تم پر ترس کھانے کی دعوت دوں گا۔ تمہاری سزا سے عبرت پکڑنے کی.....''

حاکم کا لہجہ انتہائی سرد تھا۔ تاثرات پتھریلے..... صدام سیمی کو کھینچتا ہوا لے کر جا رہا تھا۔ تاجور نے سیمی کو پکڑنے کی کوشش کی

اس کی چیخ و پکار صحن میں گونجنے لگی۔ صبا کے چہرے پر پرجوش تاثرات تھے۔ حاکم نے تاجور کو کھینچ کر دیوار سے لگا دیا تھا۔

''بیٹی واپس نہیں آئی ہے۔ مجرم آیا ہے قید میں..... تمہیں اجازت نہیں ہے اس سے ملنے کی۔ اپنے حصے کا کام تم کر چکی ہو۔''

حاکم تاجور کو تنبیہہ کر رہا تھا۔ تاجور کی سانس رک رہی تھی۔ اس نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ یہ صورت حال بھی درپیش آسکتی ہے۔

سیمی کو صدام نے اندر دھکیل دیا تھا۔ صبا ایک بھاری بھرم تالا لے کر آ گئی۔ سیمی نے کوئی مزاحمت نہیں کی تھی۔ وہ پلٹ کر دروازہ بند ہوتا دیکھتی رہی۔ پھر مقفل ہوتا۔

چاروں سمت تاریکی چھا گئی تھی۔ یہ خبر ننگے پاؤں گلی گلی گھومتی شام تک پورے مثل بہشت میں

زبان زدِ عام ہو چکی تھی۔ وہ اپس اسی جگہ آ گئی تھی جہاں سے نکالی گئی تھی۔

کہانی گھوم پھر کر واپس اسی جگہ آ کھڑی وئی تھی۔ شاید انسان اپنے اصل سے کبھی نہیں بچ سکتا..... حقیقت سے نہیں بھاگ سکتا۔ ایک آخری داؤ ہر انسان کو کھیلنا پڑتا ہے..... قصے کو انجام دینے کے لیے طوفان کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

پھر وہی رات آ گئی تھی، سیمی کے لیے زخم زخم رات..... جب شمائلہ نے اسے آگ میں جھونک دیا تھا اور وہ اس اندھیری کوٹھڑی میں ڈال دی گئی تھی۔

سنو وائٹ ایک بار پھر شیشے کے تابوت میں قید ہو گئی۔ ایسے جیسے بیچ کا ساڑھے چار ماہ کا عرصہ کبھی آیا ہی نہ ہو، لیکن باقی سب بدل چکا تھا۔ اس دفعہ کچھ بھی پہلے جیسا نہیں ہونے والا تھا۔

نہ تاجور پہلے کی طرح اسے منظر عام سے غائب کرنے والی تھی۔

نہ کوئی زندگی کا بڑا سچ اس کی جان بچانے والا تھا۔

نہ کوئی خضر دستگیر اس کا ہاتھ تھامنے کو منتظر تھا۔

نہ کوئی ثانیہ اگلی صبح اس کے جرم کی بھینٹ چڑھنے والی تھی۔

اس دفعہ کچھ بھی پہلے جیسا نہیں ہو سکتا تھا۔

اور جو ہونے والا تھا، اس کی کسی کو خبر نہیں تھی۔ گمان سے دور..... توقع سے پرے۔

☆.....☆.....☆

شام کے سائے لمبے ہو رہے تھے۔ حنا کا ٹینشن کے مارے برا حال تھا۔ خضر ہر پانچ منٹ بعد اسے کال کر رہا تھا۔ ہاشم بھی آفس سے فوراً گھر لوٹ آیا تھا۔ کسی کے ذہن میں نہیں آ رہا تھا کہ سیمی کہاں جا سکتی ہے۔

حنا جب نیند لے کر اٹھی تو وہ گھر پر نہیں تھی۔ خضر کی بے تحاشا کالز دیکھ کر اسے معلوم پڑا کہ معاملہ کیا ہے۔ تب سے اب تک اس کی ٹانگیں شل تھیں۔ اسی وقت اسے اماں جان کی کال موصول ہونے لگی

تھی۔ شاید خضر نے انہیں بھی بتا دیا تھا۔ اس نے پریشانی کے عالم میں کال ریسیو کی۔

''حنا! تم کہاں تھیں؟'' اس کے کچھ بولنے سے بھی قبل اماں جان نے تیزی سے اس سے پوچھا تھا۔ حنا نے آنکھیں میچیں۔

''اماں جان.....''

''تمہارے ہوتے ہوئے سیمی یہاں کیسے پہنچی۔ بتاؤ مجھے، تمہارے حوالے کیا تھا ناں۔'' طیش کے مارے ان کی آواز کانپ رہی تھی۔ وہ خود بھی لرز رہی تھیں۔ حنا بھی لرز گئی۔

''یہاں..... یہاں؟''

''وہ یہاں آ گئی ہے مثل بہشت..... تمہارے گھر میں گھس کر حاکم اسے کیسے لایا ہے۔ مذاق سمجھ لیا ہے کیا تم نے.....''

شکیلہ کی سرزنش نے حنا کی ساری رنگت اڑا دی تھی۔

''یہ..... یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ میرے گھر میں گھس کر، نہیں اماں جان.....'' حنا کو شدید صدمہ پہنچا تھا۔ وہ صحیح معنوں میں چکرا کر رہ گئی تھی۔

''سخت مایوس کیا تم لوگوں نے مجھے..... اب خضر کو یہاں مت آنے دینا۔ میں معاملہ دیکھتی ہوں۔''

وہ اس سے سختی سے کہہ کر رابطہ منقطع کر گئی تھیں۔ حنا کی ٹانگوں سے جیسے جان نکل گئی تھی۔ وہ دھپ سے صوفے پر گر گئی۔

اس کے اعصاب جھنجھنا گئے تھے۔ اور اب کیا ہو گا جیسا خطرناک سوالیہ نشان؟

اسے اچانک خیال آیا تو وہ ایک جھٹکے سے اٹھی اور باہر نکل گئی۔ سیمی کا سوچ سوچ کر اس کا دل لرز رہا تھا۔

وہ واپس آئی تو تاثرات بدلے ہوئے تھے۔ وہاں خوف کی بجائے تاسف تھا، مایوسی تھی۔

خضر کی دوبارہ کال آنے لگی تھی۔ حنا کا دل اپنے بھائی کے لیے بری طرح دکھ گیا تھا۔

''خضر، سیمی کہیں نہیں گئی۔'' وہ ٹوٹے لہجے میں بول رہی تھی۔ خضر نے بے قراری سے پوچھا۔

''کیا وہ مل گئی ہے؟''

''ہاں! اپنے ماں باپ کو.....''

''سوری؟'' وہ بالکل نہیں سمجھا۔

''سیمی اپنے گاؤں واپس چلی گئی ہے۔'' اس نے پست آواز میں کہا تھا۔ دوسری طرف پل بھر کو سناٹا چھا گیا۔ خضر کے گرد پھندا لگ گیا تھا۔

''ایسا کیسے ہوسکتا ہے، یہ ناممکن ہے۔'' اس نے سرگوشی کی۔ مری مری آواز میں..... بے یقینی سے سارے الفاظ مر گئے تھے۔

''چوکیدار بابا سے پوچھا ہے میں نے۔ ایک لڑکا آیا تھا سیمی کو اپنا کزن بتا رہا تھا۔ اس کے آنے کے بعد سیمی بھی چلی گئی خضر.....''

حنا دکھی لہجے میں بتاتی چلی گئی تھی۔ سیمی کی حالت اور اس آگاہی کا سارا راز فاش ہوگیا۔ پہیلی سلجھ گئی تھی۔

''اپنی مرضی سے خضر..... خود چل کر۔'' حنا کے لہجے میں تکان اتر آئی تھی۔ اور خضر دستگیر کی آنکھوں سے کانچ ایک ایک کر کے ٹوٹتے چلے گئے۔

سیمی چلی گئی تھی۔ اس نے اسی چیز کا انتخاب کیا تھا جس چیز سے خضر ڈرتا آیا تھا۔

اس نے خضر کو نہیں چنا تھا۔ اس نے اپنی پہلے والی زندگی چنی تھی۔ وہ اپنا وعدہ توڑ کر چلی گئی تھی۔ جیسے وہ ہمیشہ کہتی تھی ایک دن وہ اپنے گھر ضرور جائے گی۔

''وہ دن آج تھا۔ تم ٹھیک کہہ رہی ہو حنا۔'' خضر نے کئی لمحوں کی خاموشی کے بعد خود کلامی کی تھی۔ اس کی آواز میں آنچ معدوم تھی۔ اس کے دل کے سارے دیے بجھ گئے تھے۔

''اس نے ایسا کیوں کیا حنا.....اس نے کبھی مجھے اہمیت نہیں دی، وہ ہمیشہ یہی کرتی ہے۔'' خضر کی آواز بھیگی بھیگی معلوم ہو رہی تھی۔

اور آواز تب بھیگتی ہے جب چوٹ دل کھائے۔ حنا کی آنکھیں بھی ابلنے لگی تھیں۔

''اس نے سب کچھ ختم کرنے کا فیصلہ اکیلے کر لیا۔ اسے میری ضرورت نہیں پڑی۔''

خضر نے فون بند کر دیا تھا۔ وہ جیسے اسے کہہ کر گئی تھی کہ سب ختم ہو گیا ہے.....تو کچھ بھی باقی نہیں رہا تھا۔

سیمی بھی.....خضر بھی.....

ان سب کے بیچ جو رہا تھا، وہ سب بھی.....!

❁ ❁

ناول **نمکین پانیوں کا سفر** ابھی جاری ہے۔ اگلی اقساط آپ ہر ماہ کی **10** تاریخ کو پڑھ سکیں گے۔

رنگا رنگ کہانیوں سے سجا، خوبصورت اور دلکش

سوہنی ڈائجسٹ

SohniDigest.Com

اگر آپ بھی لکھ رہے ہیں اور اُردو قارئین کی تلاش میں ہیں تو اپنی کہانیاں Inpage میں کمپوز (ٹائپ) کر کے پورے اعتماد کے ساتھ سوہنی ڈائجسٹ میں بھیجیے۔ نئے لکھنے والوں کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔

ابھی sohnidigest@gmai.com پر ای میل کریں۔